ماہنامہ
خالد
احمدی نوجوانوں کیلئے
ستمبر 2005ء
مدیر
منصور احمد نورالدین

ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے

ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اُس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اُس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے۔ اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اِس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دِلوں میں بٹھادوں۔ کس دَف سے مَیں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سن لیں اور کس دَوا سے مَیں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔

(روحانی خزائن جلد 19 کشتی نوح صفحہ 22,21)

مجلس خدام الاحمدیہ کے نام

محترم صدر صاحب کا پیغام

پیارے خدام بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:-

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلافت کی نعمت سے نوازا ہے جو تمام قسم کی ترقیات کیلئے ایک بابرکت راہ ہے۔ اس حبل اللہ کو مضبوطی سے پکڑے رکھیں۔ وحدت اور یک جہتی کے قیام کے لئے اور کامیابیوں کے حصول کے لئے خلافت کے دامن سے ہمیشہ وابستہ رہیں اور نسل درنسل اپنی اولادوں کو بھی اس نعمت عظمیٰ سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتے رہیں۔ ہمیشہ اس کی سربلندی اور مضبوطی کیلئے کوشاں رہیں اور اس راہ میں درپیش ہر قربانی کیلئے مستعد رہیں''۔

(مشعل راہ جلد ۵ صفحہ ۳۲،۳۳)

والسلام

خاکسار

سید محمود احمد

صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احمدی نوجوانوں کے لئے

ماہنامہ

خالد

ستمبر 2005ء
تبوک 1384 ہش

جلد 52
شمارہ نمبر 9

مدیر
منصور احمد نور الدین

مجلس ادارت
لئیق احمد ناصر چوہدری، عبد الرحمن
وقار احمد، سید عطاء الواحد رضوی

monthlykhalid52@yahoo.com

اس شمارے میں

کمپوزنگ: اقبال احمد زبیر پبلشر: قمر احمد محمود مینیجر: عزیز احمد پرنٹر: سلطان احمد ڈوگر

مطبع: ضیاء الاسلام پریس چناب نگر (ربوہ) مقام اشاعت: ایوان محمود دار الصدر جنوبی قیمت ۱۰ روپے ۔۔۔ سالانہ ۱۰۰

Ph: +92 0476 212349 - 215415 - 212685 Fax: +92 0476 213091

"Love, love and love peace, peace and peace"

امن

ادار یہ

"Love, love and love peace, peace and peace"

قرآن مجید کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو محبت، بھائی چارے اور امن کے ساتھ زندگی گزارنے کی تلقین کی ہے۔ جب احادیث رسول کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہاں بھی یہی تعلیم نظر آتی ہے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک مرتبہ فرمایا:-

''اللہ تعالیٰ نرم خُو ہے، نرم خوئی کو پسند کرتا ہے''

(بخاری کتاب استتابة المرتدین باب اذا عرض الذمی اوغیره بسب النبی ﷺ ......)

۱۷ رمئی ۲۰۰۵ء کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز دورۂ افریقہ کے دوران جب یوگنڈا پہنچے تو حضورِ انور نے وہاں کے صحافیوں کے سوالات کے جوابات دیتے ہوئے فرمایا کہ میرا پیغام ہے کہ:-

"Love, love and love peace, peace and peace "

پھر فرمایا:-

"Love for all hatred for none" ہمارا سلوگن ہے''۔

فرمایا:-

''ہم اَمن کا ہی پیغام دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی تعلیم کے مطابق ایک دوسرے کے ساتھ محبت و پیار سے رہیں اور اَمن کے ساتھ اور محبت کے ساتھ (دین حق) کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں''۔

(الفضل انٹرنیشنل ۲۴ تا ۳۰ جون ۲۰۰۵ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں امن اور سلامتی کے ساتھ رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنے والے ہوں۔ آمین

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

القرآن

صدق شعاری

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں مومنوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:-

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صاف سیدھی بات کیا کرو۔ (الاحزاب: ۷۱)

پھر اللہ اپنے بندوں کی ایک نشانی کا ان الفاظ میں ذکر کرتا ہے:-

اور وہ لوگ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے (الفرقان: ۷۳)

پھر جھوٹ سے بچنے کی ان الفاظ میں تلقین فرمائی:

پس بتوں کی پلیدی سے احتراز کرو اور جھوٹ کہنے سے بچو۔ (الحج: ۱۳)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

''قرآن شریف نے جھوٹ کو بھی ایک نجاست اور رجس قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (الحج:31) دیکھو یہاں جھوٹ کو بت کے مقابل رکھا ہے۔ اور حقیقت میں جھوٹ بھی ایک بت ہی ہے۔ ورنہ کیوں سچائی کو چھوڑ کر دوسری طرف جاتا ہے جیسے بت کے نیچے کوئی حقیقت نہیں ہوتی اسی طرح جھوٹ کے نیچے بجز ملمّع سازی کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جھوٹ بولنے والوں کا اعتبار یہاں تک کم ہو جاتا ہے کہ اگر وہ سچ کہیں تب بھی یہی خیال ہوتا ہے کہ اس میں بھی کچھ جھوٹ کی ملاوٹ نہ ہو۔ اگر جھوٹ بولنے والے چاہیں کہ ہمارا جھوٹ کم ہو جائے تو جلدی سے دور نہیں ہوتا۔ مدت تک ریاضت کریں۔ تب جا کر سچ بولنے کی عادت ان کو ہو گی۔'' (ملفوظات جلد دوم صفحہ 266)

❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀

اداریہ

کذب بیانی بڑے گناہوں میں سے ہے

خصال المنافق

عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

چار باتیں ایسی ہیں جو جس میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے۔ اور جس میں ان میں سے ایک بات پائی جائے تو اس میں نفاق کی ایک خصلت پائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کو چھوڑ دے۔

1۔ جب وہ گفتگو کرتا ہے تو کذب بیانی سے کام لیتا ہے۔

2۔ اور جب معاہدہ کرتا ہے تو غداری کا مرتکب ہوتا ہے۔

3۔ اور جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔

4۔ اور جب جھگڑتا ہے تو گالی گلوچ سے کام لیتا ہے۔

(مسلم کتاب الایمان باب خصال المنافق)

قول الزور

عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ اپنے والد ابی بکرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم کو کبائر میں سے بڑے گناہوں کے بارہ میں نہ بتاؤں؟ وہ تین ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ہمیں ان سے آگاہ فرمائیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک قرار دینا، والدین کی نافرمانی کرنا، آپ سہارا لے کر لیٹے ہوئے تھے پھر بیٹھ گئے اور فرمایا غور سے سنو، تیسری بات جھوٹ بولنا ہے۔

(بخاری۔ کتاب الشھادات۔ باب ما قیل فی شھادۃ الزور)

❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀

سچائی......

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

''منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے جو اس کی فطرت کا خاصہ ہے۔ سچائی ہے۔ انسان جب تک کوئی غرض نفسانی اس کی محرک نہ ہو جھوٹ بولنا نہیں چاہتا۔ اور جھوٹ کے اختیار کرنے میں ایک طرح کی نفرت اور قبض اپنے دل میں پاتا ہے۔ اسی وجہ سے جس شخص کا صریح جھوٹ ثابت ہو جائے اس سے ناخوش ہوتا ہے اور اس کو تحقیر کی نظر سے دیکھتا ہے۔ لیکن صرف یہی طبعی حالت اخلاق میں داخل نہیں ہو سکتی بلکہ بچے اور دیوانے بھی اس کے پابند رہ سکتے ہیں۔ سو اصل حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان ان نفسانی اغراض سے علیحدہ نہ ہو۔ جو راست گوئی سے روک دیتے ہیں تب تک حقیقی طور پر راست گو نہیں ٹھہر سکتا۔ کیونکہ اگر انسان صرف ایسی باتوں میں سچ بولے جن میں اس کا چنداں ہرج نہیں اور اپنی عزت یا مال یا جان کے نقصان کے وقت جھوٹ بول جائے اور سچ بولنے سے خاموش رہے تو اس کو دیوانوں اور بچوں پر کیا فوقیت ہے۔ کیا پاگل اور نابالغ لڑکے بھی ایسا سچ نہیں بولتے؟ دنیا میں ایسا کوئی بھی نہیں ہوگا کہ جو بغیر کسی تحریک کے خواہ نخواہ جھوٹ بولے۔ پس ایسا سچ جو کسی نقصان کے وقت چھوڑا جائے حقیقی اخلاق میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ سچ کے بولنے کا بڑا بھاری محل اور موقع وہی ہے جس میں اپنی جان یا مال یا آبرو کا اندیشہ ہو۔ اس میں خدا کی تعلیم یہ ہے......

ترجمہ۔ بتوں کی پرستش اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرو یعنی جھوٹ بھی ایک بت ہے۔ جس پر بھروسہ کرنے والا خدا کا بھروسہ چھوڑ دیتا ہے۔ سو جھوٹ بولنے سے خدا بھی ہاتھ سے جاتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ جب تم سچی گواہی کے لئے بلائے جاؤ تو جانے سے انکار مت کرو۔ اور سچی گواہی کو مت چھپاؤ اور جو چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہے۔ اور جب تم بولو تو وہی بات منہ پر لاؤ جو سراسر سچ اور عدالت کی بات ہے۔ اگرچہ تم اپنے کسی قریبی پر گواہی دو۔ حق اور انصاف پر قائم ہو جاؤ۔ اور چاہیئے کہ ہر ایک گواہی تمہاری خدا کے لئے ہو۔ جھوٹ مت بولو۔ اگرچہ سچ بولنے سے تمہاری جانوں کو نقصان پہنچے۔ یا اس سے تمہارے ماں باپ کو ضرر پہنچے یا اور قریبیوں کو جیسے بیٹے وغیرہ کو۔ اور چاہئے کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں سچی گواہی سے نہ روکے۔ سچے مرد اور سچی عورتیں بڑے بڑے اجر پائیں گے۔ ان کی عادت ہے کہ اوروں کو بھی سچ کی نصیحت دیتے ہیں۔ اور جھوٹوں کی مجلسوں میں نہیں بیٹھتے''۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 360،361)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

خلافت در حقیقت اِک نظام آسمانی ہے

(مکرم سید ادریس احمد عاجز عظیم آبادی)

خلافت اس خدائے عزوجل کی ایک نعمت ہے
فلک سے تا زمیں جس کی ہر اک شے پر حکومت ہے

خلافت مومنوں سے وعدۂ یزدان عالی ہے
ہے یہ تقدیر ربانی ، نہیں نقش خیالی ہے

خلافت درحقیقت اِک نظام آسمانی ہے
نگہبان ہے وہی اس کا جو ذاتِ جاودانی ہے

خلافت سے خدائے عرش کی حاصل رضا مندی
اسی سے بوستانِ حق کی تزئین و چمن بندی

خلافت ہی سے قائم باغ احمدؑ میں ہے رعنائی
خلافت ہی سے ملتی ہے جماعت کو توانائی

خلافت سے جبینِ دین پر ظاہر وہ تابانی
کہ جس سے منعکس ہیں دہر میں انوارِ ربانی

خلافت باعث تمکین دیں ازروئے قرآں ہے
اسی سے دین حق کی سطوت وشوکت نمایاں ہے

خلافت نے رکھا ہے باندھ کر ملت کا شیرازہ
اسی سے دوڑتا ہے جسم ملت میں لہو تازہ

خلافت کی صداقت پر سرِ تسلیم خم اپنا
مئے عشقِ محمدؐ کا ہی ہے جامِ جم اپنا

خلافت شمعِ حق ہے اور ہم ہیں اس کے پروانے
بھلا اس راز کو سمجھیں گے کیا دنیا کے فرزانے

ہزاروں آندھیوں نے زور باندھا ، زلزلے آئے
بڑھے اس کو بجھانے حزبِ باطل کے گھنے سائے

فروزاں یہ رہی پیہم بغایت شانِ زیبائی
ملی ہر اِک قدم پر دشمنانِ دیں کی پسپائی

خلافت کی اطاعت ہی میں مضمر کامرانی ہے
یہی وجہ سرور و انبساط و شادمانی ہے

سلام اس پر کہ جو ہے جلوہ گر تخت خلافت پر
قدم مضبوط ہے جس کا محمدؐ کی اطاعت پر

ہے عاجزؔ پر نگاہِ لطف کی یہ کار فرمائی
زباں تھی گُنگ اس کی ، مل گئی اب تاب گویائی

مشعل راہ

جماعت احمدیہ اور مالی قربانیاں

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ۳/جون ۲۰۰۵ء کے خطبہ جمعہ میں فرماتے ہیں:-

''تصویر کا ایک دوسرا اور صحیح رخ بھی ہے جو احمدیوں کی مالی قربانیوں کا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماننے والوں کی مالی قربانیوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر چلتے ہوئے جب قربانی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھ کر ہی قربانی کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ نہ تو کسی فرد پر یا جماعت پر احسان کا رنگ رکھتے ہوئے قربانی کرتے ہیں، نہ ہی کسی کو تکلیف پہنچانے کی نیت سے یہ قربانی کرتے ہیں۔ نیت ہوتی ہے تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام دنیا میں پہنچانے کے لئے ہم بھی حصہ لیں۔ دکھی انسانیت کی خدمت کے لئے ہم بھی کچھ پیش کریں اور خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والے بنیں۔ ان لوگوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو اپنا پیٹ کاٹ کر مالی قربانی کرنے والے ہیں، چندے دینے والے ہیں۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو بڑی مالی قربانیاں پیش کرنے والے ہیں۔ اپنے باقاعدہ چندوں کے علاوہ بھی کروڑوں روپے کی قربانی کر دیتے ہیں اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی کو پتہ بھی نہ لگے۔ پس یہی لوگ جو اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق اپنے ربّ سے ان قربانیوں کا اجر پانے والے لوگ ہیں۔ ان کو ان قربانیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی اپنی رحمت اور فضل کی چادر میں لپیٹ لیتا ہے۔ ان کے غموں کو خوشیوں میں بدل دیتا ہے۔ ان کے خوفوں کو اپنے فضل سے دور فرما دیتا ہے۔ ان کی اولادوں کو ان کی آنکھ کی ٹھنڈک بنا دیتا ہے اور آئندہ زندگی میں خدا تعالیٰ نے ان کو جن نعمتوں سے نوازنا ہے اس کا تو حساب ہی کوئی نہیں ہے۔

تو یہ اللہ والے یہ قربانیاں اس لئے کرتے ہیں کہ انہیں خدا تعالیٰ کے وعدوں پر یقین ہے۔ یہ قربانیاں وہ اس لئے کرتے ہیں کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا ادراک ہے کہ اپنے پیسوں کی تھیلی کا منہ بند کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی رزق بند کر دے گا۔ اللہ کی راہ میں گن گن کر دو گے تو خدا تعالیٰ بھی تمہیں گن گن کر ہی دے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اس بات کا یقین ہے اور خدائی وعدہ پر مکمل ایمان ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ:

............................(البقرہ:۲۷۳)

یعنی جو بھی تم مال میں سے خرچ کرو تو وہ تمہارے اپنے فائدے میں ہے۔ جبکہ تم اللہ کی رضا جوئی کے سوا (کبھی) خرچ نہیں کرتے اور جو بھی تم مال میں سے خرچ کرو وہ تمہیں بھرپور واپس کر دیا جائے گا اور ہرگز تم سے کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ تو جب اللہ تعالیٰ یہ وعدہ کر رہا ہے کہ کوئی خوف نہ کرو بلکہ جو بھی تم خرچ کرو گے وہ تمہیں لوٹا دیا جائے گا۔ اور کسی بھی قسم کی زیادتی نہیں

کی جائے گی۔ بلکہ زیادتی کا یا لوٹائے جانے کا کیا سوال ہے؟ اللہ تعالیٰ تو ایسا دیالو ہے، اس قدر بڑھا کر لوٹا تا ہے کہ اس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس کے خزانے لامحدود ہیں۔ اور جس کے خزانے لامحدود ہوں وہ انسانی ذہن میں کسی معیار کا تصور پیدا کرنے کے لئے پیمانے کا اظہار تو کر دیتا ہے لیکن وہ معیار یا پیمانے آخری حد نہیں ہوتی، انتہا نہیں ہوتی۔ جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے کہ

...........(البقرہ ۲۶۲)

یعنی ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسے بیج کی طرح ہے جو سات بالیں اگاتا ہو، ہر بالی میں سو دانے ہوں اور جسے چاہے اس سے بھی بڑھا کر دیتا ہے۔ اور اللہ وسعت عطا کرنے والا اور دائمی علم رکھنے والا ہے۔ یعنی گو اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے پیمانے کوئی نہیں وہ تو بے حساب رزق دینے والا ہے لیکن کیونکہ انسان کی سوچ محدود ہے اس لئے وہ بے حساب سے کہیں یہ نہ سمجھے کہ دس بیس یا تیس گنا یا سو گنا اضافہ ہو جائے گا۔ نہیں بلکہ بڑھانے کی ابتدا سات سو گنا سے ہے۔ وہ جس کو چاہے اس سے بھی زیادہ بڑھا کر دے دے۔ جتنا زیادہ اس پر ایمان میں بڑھتے جاؤ گے اتنا زیادہ اس کے فضلوں کے وارث ٹھہرتے جاؤ گے۔ وہ تمہاری نیتوں کو بھی جانتا ہے۔ وہ تمہاری قربانیوں کی گنجائش کو بھی جانتا ہے۔ اس لئے جب احمدی اس نیت سے قربانی کر رہے ہوتے ہیں تو وہ خدا تعالیٰ کے بے انتہاء فضلوں کے وارث بھی ٹھہرتے ہیں۔ اللہ کرے کہ ہر احمدی کی قربانی کا یہ معیار پیش کرنے کا یہ فہم اور ادراک بڑھتا چلا جائے۔ ہر احمدی قربانی کے اعلیٰ معیار قائم کرنے والا ہو۔ ہر شخص کی توفیقیں مختلف ہوتی ہیں، استعدادیں مختلف ہوتی ہیں۔ لیکن اپنے اپنے دائرے میں ہر احمدی کی یہ خواہش ہونی چاہیے کہ مالی قربانی کرنے والا ہو۔ اور قربانی کا لفظ تو تقاضا ہی یہ کرتا ہے کہ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال کر اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال کر اپنی خواہشات کو دبا کر، اپنے آپ کو اور اپنے مال کو خدا کی رضا کی خاطر جماعتی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے پیش کیا جائے۔

پس جو اس قربانی کے جذبے سے اپنے مال خدا کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتے ہیں وہ یقیناً اللہ تعالیٰ سے اجر پانے والے ہیں''۔

پھر فرمایا: ''......پس ہر احمدی کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ اپنی قربانیوں کو باقاعدہ رکھے تا کہ ساتھ ساتھ تزکیہ نفس بھی ہوتا رہے۔ لیکن ہمیشہ ہر احمدی کو یہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توفیقوں کو جانتا ہے اس لئے تقویٰ پر چلتے ہوئے اگر وہ سمجھتے ہیں کہ ان کو اپنے چندوں میں کمی کرنی چاہیے تو بے شک کریں لیکن اس کے لئے جماعت میں طریق ہے کہ خلیفۂ وقت سے اجازت لے لیں کہ میرے حالات ایسے ہیں جس کی وجہ سے میں پوری شرح سے چندہ نہیں دے سکتا ادائیگی نہیں کر سکتا لیکن اپنے آپ کو مکمل طور پر مالی قربانی سے فارغ نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بے شمار جگہ اس طرف توجہ دلائی ہے اور ابتداء میں ہی (سورۃ بقرہ میں) متقیوں کی نشانی یہ بتائی ہے کہ نماز پڑھنے والے، عبادتیں کرنے والے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے ہیں جو متقی ہیں۔ پس جب آپ استحکام خلافت اور استحکام جماعت کے لئے دعا مانگتے ہیں اور تقویٰ پر قائم رہنے کے لئے دعائیں مانگتے ہیں تو ان حکموں پر عمل بھی کرنا ہو گا جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان دعاؤں کا وارث بننے کے لئے دیئے ہیں''۔ (الفضل انٹرنیشنل ۱۷ تا ۲۳ رجون ۲۰۰۵ء)

❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مصلح موعود کا بیان فرمودہ سیرۃ النبی ﷺ کا ایک منفرد پہلو

حضرت بلالؓ کا جھنڈا

(مرسلہ: مرزا شکیل احمد صاحب لاہور)

''اِس واقعہ (فتح مکہ) میں جو سب سے زیادہ عظیم الشان بات ہے وہ بلالؓ کا جھنڈا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلالؓ کا جھنڈا بناتے ہیں اور فرماتے ہیں جو شخص بلالؓ کے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہو جائے گا اُس کو پناہ دی جائے گی حالانکہ سردار تو محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے مگر محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی جھنڈا نہیں کھڑا کیا جاتا، آپؐ کے بعد قربانی کرنے والے ابو بکرؓ تھے مگر ابو بکرؓ کا بھی کوئی جھنڈا نہیں کھڑا کیا جاتا، اُن کے بعد مسلمان ہونے والے رئیس عمرؓ تھے مگر عمرؓ کا بھی کوئی جھنڈا نہیں کھڑا کیا جاتا، اُن کے بعد عثمانؓ مقبول تھے اور آپؐ کے داماد تھے مگر عثمانؓ کا بھی کوئی جھنڈا نہیں کھڑا کیا جاتا، اُن کے بعد علیؓ تھے جو آپؐ کے بھائی بھی تھے اور آپؐ کے داماد بھی تھے مگر علیؓ کا کوئی جھنڈا نہیں کھڑا کیا جاتا، پھر عبدالرحمٰن بن عوفؓ وہ شخص تھے جن کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آپ وہ شخص ہیں کہ جب تک آپ زندہ ہیں مسلمان قوم میں اختلاف نہیں ہوگا لیکن عبدالرحمٰنؓ کا کوئی جھنڈا نہیں بنایا جاتا، پھر عباسؓ آپؐ کے چچا تھے اور بعض دفعہ وہ گستاخی بھی کر لیتے تو آپ خفا نہ ہوتے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا بھی کوئی جھنڈا نہیں بنایا، پھر سارے رؤساء اور چوٹی کے آدمی موجود تھے، خالد بن ولیدؓ جو ایک سردار کا بیٹا خود بڑا نامور انسان تھا موجود تھا، عمرو بن عاصؓ ایک سردار کا بیٹا تھا اِسی طرح اور بڑے بڑے سرداروں کے بیٹے تھے مگر ان میں سے کسی ایک کا بھی جھنڈا نہیں بنایا جاتا۔ جھنڈا بنایا جاتا ہے تو بلالؓ کا بنایا جاتا ہے کیوں؟ اِسکی کیا وجہ تھی؟ اِس کی وجہ یہ تھی کہ خانہ کعبہ پر جب حملہ ہونے لگا تھا ابو بکرؓ دیکھ رہا تھا کہ جن کو مارا جانے والا ہے وہ اُس کے بھائی بند ہیں اور اُس نے خود بھی کہہ دیا تھا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! کیا اپنے بھائیوں کو ماریں گے۔ وہ ظلموں کو بھول چکا تھا اور جانتا تھا کہ یہ میرے بھائی ہیں۔ عمرؓ بھی کہتے تو یہی تھے کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اِن کافروں کو ماریئے مگر پھر بھی جب آپؐ اُن کو معاف کرنے پر آئے تو وہ اپنے دل میں یہی کہتے ہونگے کہ اچھا ہوا ہمارے بھائی بخشے گئے، عثمانؓ اور علیؓ بھی کہتے ہونگے کہ ہمارے بھائی بخشے گئے اِنہوں نے ہمارے ساتھ سختیاں کر لیں تو کیا ہوا۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کو معاف کرتے وقت یہی سمجھتے ہونگے کہ اُن میں میرے چچا بھی تھے بھائی بھی تھے، اِن میں میرے داماد، عزیز اور رشتہ دار بھی تھے اگر مَیں نے اِن کو معاف کر دیا تو اچھا ہی ہوا میرے اپنے رشتہ دار بچ گئے۔ صرف ایک شخص تھا جس کی مکہ میں کوئی رشتہ داری نہیں تھی، جس کی مکہ میں کوئی طاقت نہ تھی، جس کا مکہ میں کوئی ساتھی نہ تھا اور اُس کی بیکسی کی حالت میں اُس پر وہ ظلم کیا جاتا جو نہ ابو بکرؓ پر ہوا، نہ علیؓ پر ہوا، نہ عثمانؓ پر ہوا، نہ عمرؓ پر ہوا بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی نہیں ہوا۔ جلتی اور تپتی ہوئی ریت پر بلالؓ ننگا لٹا دیا جاتا تھا۔ تم دیکھو! ننگے پاؤں بھی مئی اور جون میں نہیں چل سکتے۔ اُس کو ننگا کر کے تپتی ریت پر لٹا دیا جاتا تھا، پھر کیلوں والے جُوتے پہن کر

نوجوان اُس کے سینے پر ناچتے تھے اور کہتے تھے کہو خدا کے سِوا اور معبود ہیں، کہو محمدؐ رسول اللہ جھوٹا ہے اور بلالؓ آگے سے اپنی حبشی زبان میں جب وہ بہت مارتے تھے کہتے اَسھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ. اَسھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ. وہ شخص آگے سے یہی جواب دیتا تھا کہ تم مجھ پر کتنا بھی ظلم کرو مَیں نے جب دیکھ لیا ہے کہ خدا ایک ہے تو دو کس طرح کہہ دوں۔ اور جب مجھے پتہ ہے کہ محمد رسول اللہ خدا کے سچّے رسول ہیں تو مَیں انہیں جھوٹا کس طرح کہہ دوں۔ اِس پر وہ اور مارنا شروع کر دیتے تھے۔ مہینوں گرمیوں کے موسم میں اُس کے ساتھ یہی حال ہوتا تھا۔ اِسی طرح سردیوں میں وہ یہ کرتے تھے کہ اُن کے پَیروں میں رسّی ڈال کر انہیں مکّہ کی پتھروں والی گلیوں میں گھسیٹتے تھے۔ چمڑا اُن کا زخمی ہو جاتا تھا۔ وہ گھسیٹتے تھے اور کہتے تھے کہو جھوٹا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو خدا کے سِوا اور معبود ہیں۔ تو وہ کہتے اَسھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ. اَسھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ. اب جب کہ اسلامی لشکر دس ہزار کی تعداد میں داخل ہونے کیلئے آیا۔ بلالؓ کے دل میں خیال آیا ہوگا کہ آج اُن بوٹوں کا بدلہ لیا جائے گا۔ آج اُن ماروں کا معاوضہ مجھے مِلے گا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ معاف، جو خانہ کعبہ میں داخل ہو گیا وہ معاف، جس نے اپنے ہتھیار پھینک دیئے وہ معاف، جس نے اپنے گھر کے دروازے بند کر لئے وہ معاف تو بلالؓ کے دل میں خیال آتا ہوگا کہ یہ تو اپنے سارے بھائیوں کو معاف کر رہے ہیں اور اچھا کر رہے ہیں لیکن میرا بدلہ تو رہ گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ آج صرف ایک شخص ہے جس کو میرے معاف کرنے سے تکلیف پہنچ سکتی ہے اور وہ بلالؓ ہے کہ جن کو مَیں معاف کر رہا ہوں وہ اُس کے بھائی نہیں۔ جو اُس کو دکھ دیا گیا ہے وہ اَور کسی کو نہیں دیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا مَیں اس کا بدلہ لونگا اور اِس طرح لونگا کہ میری نبوت کی بھی شان باقی رہے اور بلالؓ کا دل بھی خوش ہو جائے۔ آپؐ نے فرمایا بلالؓ کا جھنڈا کھڑا کرو اور اُن مکّہ کے سرداروں کو جو جوتیاں لے کر اُس کے سینہ پر ناچا کرتے تھے، جو اُس کے پاؤں میں رسّی ڈال کر گھسیٹا کرتے تھے، جو اُسے تپتی ریتوں پر لٹایا کرتے تھے کہدو کہ اگر اپنی اور اپنے بیوی بچّوں کی جان بچانی ہے تو بلالؓ کے جھنڈے کے نیچے آجاؤ۔ مَیں سمجھتا ہوں جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہے، جب سے انسان کو طاقت حاصل ہوئی ہے اور جب سے کوئی انسان دوسرے انسان سے اپنے خون کا بدلہ لینے پر تیار ہوا ہے اور اُس کو طاقت ملی ہے اِس قسم کا عظیم الشان بدلہ کسی انسان نے نہیں لیا۔ جب بلالؓ کا جھنڈا خانہ کعبہ کے سامنے میدان میں گاڑا گیا ہوگا، جب عرب کے وہ رؤساء جو اُسکو پیروں سے مَسلا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے بولتا ہے کہ نہیں کہ محمد رسول اللہ جھوٹا ہے جب وہ دَوڑ دَوڑ کر اور اپنے بیوی بچوں کے ہاتھ پکڑ پکڑ کر اور لا لا کے بلالؓ کے جھنڈے کے نیچے لاتے ہونگے کہ ہماری جان بچ جائے تو اُس وقت بلالؓ کا دل اور اُس کی جان کس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور ہو رہی ہوگی۔ وہ کہتا ہوگا مَیں نے تو خبر نہیں اِن کفار سے بدلہ لینا تھا یا نہیں یا لے سکتا تھا کہ نہیں اب وہ بدلہ لیا گیا ہے کہ ہر شخص جس کی جُوتیاں میرے سینہ پر پڑتی تھیں اُس کے سَر کو میری جُوتی پر جُھکا دیا گیا ہے''۔ (سیر روحانی صفحہ ۵۶۱ تا ۵۶۳)

○○○○○○○○○○○

جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے

(حضرت میر محمد اسحاق صاحب)

''جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے''

اس حدیث سے مندرجہ ذیل دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(1)

جس شخص سے مشورہ پوچھا جائے۔ وہ اپنے آپ کو امین سمجھے۔ یعنی وہ یہ خیال کرے کہ جو بات مجھ سے پوچھی گئی ہے اس کی حیثیت امانت کی ہے۔ جس طرح امانت کی چیز اپنے پاس رکھنی چاہیے اور کسی اور کو دینی جائز نہیں۔ اسی طرح مشورہ والی بات مجھ تک رہنی چاہیے۔ کسی اور پر ظاہر نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص نے زید سے مشورہ لیا۔ کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے بیٹے کے رشتہ کی درخواست بکر کی لڑکی کے لئے کروں تو زید کا فرض ہے کہ وہ اس مشورہ کو کسی شخص پر ظاہر نہ کرے۔ ورنہ اگر وہ اس بات کو ظاہر کردے گا تو ہوسکتا ہے کہ خالد اس بات کو سنتے ہی زید سے پہلے ہی بکر کو اپنے لڑکے کی طرف سے پیغام دے۔ اور اس طرح زید محروم ہو جائے۔ اور یہ سب نتیجہ صرف اس لئے پیدا ہوگا۔ کہ زید نے اس مشورہ کی بات کو امانت نہ سمجھا اور ظاہر کر دیا۔ لیکن اگر وہ ظاہر نہ کرتا۔ تو زید پہلے پیغام دیتا اور ممکن تھا کہ بکر اسے قبول کر لیتا۔ اور اس طرح وہ اپنے لڑکے کے رشتہ سے محروم نہ رہتا۔

غرض اس حدیث سے پہلی بات یہ معلوم ہوئی۔ کہ جس شخص سے کوئی شخص مشورہ لے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ کسی پر ظاہر نہ کرے۔ کہ مجھ سے فلاں شخص نے فلاں امر کے متعلق مشورہ لیا تھا۔

اسی طرح زید بکر سے مشورہ پوچھتا ہے کہ مجھے خالد نے بہت دکھ دیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اُس پر مقدمہ دائر کر دوں۔ بکر یہ بات خالد پر ظاہر کر دیتا ہے جس سے پیش بندی کر کے خالد زید کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔

اسی طرح ایک پولیس آفیسر اپنے ماتحتوں سے مشورہ کرتا ہے کہ فلاں ڈاکو کو کس طرح پکڑا جائے۔ ماتحتوں میں سے ایک شخص غلطی سے وہ گفتگو گھر میں دہراتا ہے۔ اس کے گھر کا نوکر اپنے دوستوں سے بیان کرتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ راز افشا ہو جاتا ہے اور وہ ڈاکو پکڑا نہیں جا سکتا۔

اسی طرح ایک بادشاہ اپنے وزرا سے بعض اہم ملکی معاملات میں مشورہ لیتا ہے۔ ایک وزیر اپنی طبیعت کی کمزوری کی وجہ سے وہ

راز اپنی بیوی سے کہہ دیتا ہے۔ وہ بیوی غیر ملکی ہے۔ وہ اپنے ملک کے سفیر سے ذکر کرتی ہے اور اس طرح بادشاہ کا راز غیر ملک کے بادشاہ تک جا پہنچتا ہے۔ جس سے بادشاہ نقصان اُٹھاتا ہے۔

غرض یہ حدیث تمام دوستوں کو دوستوں کے اور تمام ماتحتوں کو افسروں کے مشورہ کی باتیں دوسروں پر ظاہر کرنے سے روکتی ہے۔

(۲)

دوسری بات جو اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جس سے مشورہ لیا جائے۔ اس کی حیثیت امین کی ہوتی جس طرح امین امانت میں تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔ اور خیانت کے طریق سے اُسے ہماری شریعت روکتی ہے۔ یہی حال اس کا ہے۔ جس سے مشورہ لیا جائے۔

وہ جو مشورہ دے صحیح دے۔ یہ نہیں کہ مشورہ پوچھنے والے کی ہاں میں ہاں ملاتا جائے۔ مثلاً ایک بادشاہ اپنے وزیر سے مشورہ لیتا ہے کہ اس فلاں عورت سے شادی کرلوں۔ یا نہ۔ وزیر یہ دیکھ کر کہ بادشاہ اس عورت کی طرف شدت سے مائل ہے۔ اسے خوش کرنے کے لئے کہتا ہے کہ بے شک حضور اس سے شادی کرلیں۔ حالانکہ اس کی ذاتی رائے میں عورت ہرگز قابل شادی نہیں۔

تو یہ حدیث اُس وزیر کو ملامت کرے گی۔ اور کہے گی۔

''جس سے مشورہ پوچھا جائے وہ امین ہوتا ہے۔'' اس لئے تیرا فرض ہے کہ تو حق امانت ادا کرے اور ٹھیک مشورہ دے۔ اگر تُو اس عورت کو سلطنت کے مفاد کے خلاف یا بادشاہ کی عزت کے منافی سمجھتا ہے۔ تو تیرا فرض ہے کہ تو صاف صاف عرض کر دے کہ یہ شادی نہ کریں۔ آگے بادشاہ کی مرضی وہ یہ مشورہ قبول کرے۔ یا نہ کرے۔ جیسا کہ انگلینڈ کے بادشاہ ایڈورڈ ہشتم نے جب مسز سمپسن نامی ایک عورت سے شادی کرنے کا ارادہ کیا اور یہ بات مجلس وزراء میں پیش ہوئی۔ تو تمام وزراء بالخصوص وزیر اعظم مسٹر بالڈون نے کمال دلیری اور خلوص سے بادشاہ کو صاف صاف کہہ دیا۔ کہ حضور اُس عورت سے شادی نہ کریں۔ یہ حضور کے وقار اور منصب کے مناسب نہیں۔

پس دوسری بات جو اس حدیث سے نکلتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جس سے مشورہ لیا جائے جو بات اس کی رائے میں صحیح ہو۔ وہ ظاہر کر دے۔ اب خواہ وہ مانے یا نہ مانے اور عمل کرے یا نہ کرے۔ (الفضل ۲ر فروری ۱۹۴۱ء)
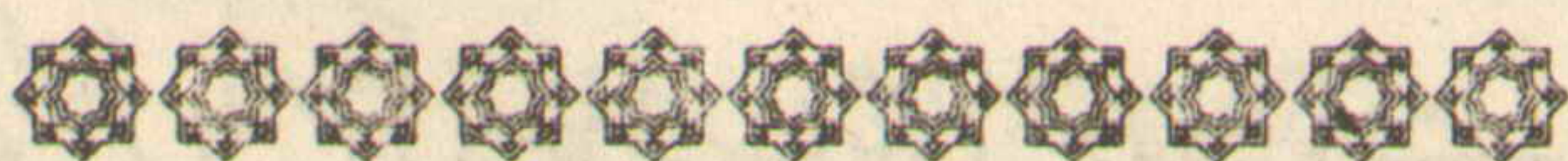
ذکرِ حبیب

روایات حضرت میاں معراج دین عمر صاحب

پیدائش: اندازاً ۱۸۷۵ء بیعت: ۱۸۹۱/۱۸۹۲ ۳۱۳ رفقاء میں نمبر: ۷۴ وفات: ۲۸؍جولائی ۱۹۰۴ء

(مرسلہ: مکرم عبدالمالک صاحب)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے رفقاء میں حضرت میاں معراج دین عمر صاحب کا نام نہایت معروف ہے۔ آپ لاہور کے سرکردہ اور اولین احمدیوں میں سے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصنیف لطیف براہین احمدیہ ہر چہار حصص کا ایک ایڈیشن آپ نے شائع کروایا اور اس کے دیباچہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندانی حالات درج کئے۔ حضرت اقدس کی تائید میں کئی ٹریکٹ لکھ کر شائع کرواتے رہتے۔ آپ نے یکم ستمبر ۱۹۰۶ء کو تقویم عمری نام سے ایک جنتری شائع کی جو ۱۷۸۳ء سے لے کر ۱۹۰۷ء تک ۱۲۵ برس پر مشتمل ہے۔ اسی طرح آپ نے ایک کتاب "صداقت مریمیہ" کے نام سے لکھی۔ پھر "The Crucifixion by an eyewitness" کا اردو ترجمہ بعنوان "واقعات صلیب کی چشم دید شہادت" شائع کیا۔ آپ کی چند روایات قارئین "خالد" کی لئے پیش کی جارہی ہیں۔ (مدیر)

۱

(محبوب رایوں کے مکان واقعہ لنگے منڈی لاہور کا واقعہ ہے) کہ ایک شخص سائیں سراج دین جو پیر گولڑوی کا مرید تھا۔ اور لاہور میں گولڑوی کے مرید اس کی عزت کیا کرتے تھے۔ نور الدین نانبائی کے مکان میں رہا کرتا تھا۔ ایک روز وہ حضرت اقدس سے ملنے کے بہانے سے آیا اور آکر سامنے بیٹھ گیا۔ جب موقع پایا تو اجازت چاہی۔ کہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، حضور علیہ السلام نے اجازت دے دی۔ اس پر اس نے گالیاں نکالنی شروع کر دیں اور اس قدر گالیاں دیں کہ گالیوں کی لغات میں کوئی لفظ اس نے باقی نہ چھوڑا۔ جب ذرا ٹھہر جاتا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے کہ سائیں صاحب کچھ اور، وہ پھر بھڑک اٹھتا۔ اور گالیاں شروع کر دیتا۔ حضرت اقدس ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے اسے دیکھتے رہے اور سنتے رہے اس پر ہمیں بھی جوش پیدا ہوا۔ ہم نے اسے سرزنش کرنے کی کوشش کی۔ مگر حضور علیہ السلام نے منع فرمادیا۔

۲

(سفر ملتان کا واقعہ ہے کہ) ایڈیٹر اخبار ناظم الہند لاہور کے برخلاف کسی نے ملتان میں مقدمہ کیا ہوا تھا۔ اس نے اپنی صفائی کی شہادت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی طلب کرلیا تھا۔ یہ شخص مرثیہ خوان اور شاعر بھی تھا۔ ہمارے سلسلہ کا بہت مخالف تھا۔ ملتان کے سفر کے ہمراہی حضرت مولوی نورالدین صاحب، حضرت مولوی عبدالکریم صاحب، خاکسار اور خواجہ کمال الدین صاحب وغیرہ تھے۔ راستہ میں اکثر سٹیشنوں پر لوگ ملاقات کے لئے آتے تھے۔ جن میں غیر احمدی بھی بکثرت ہوتے تھے۔ جب ہم ملتان پہنچے تو وہاں استقبال کا بہت بڑا انتظام کیا گیا تھا۔ مولوی بدرالدین صاحب ہیڈ ماسٹر اسلامیہ سکول بڑے بارسوخ آدمی تھے تمام سکول کے لڑکوں کو سڑک پر دورویہ جماعت بندی کی یک رنگ پگڑیاں باندھے ہوئے اور ہاتھوں میں جھنڈیاں دیئے ہوئے جن میں مختلف قسم کے فقرات لکھے ہوئے تھے کھڑا کیا ہوا تھا۔ جب ہم گذرے تو لڑکے دعائیہ کلمات، (سلامتی ہو) اور بعض نظمیں پڑھتے تھے۔ پھر ہم فرودگاہ پر پہونچے۔ انہوں نے ہی مکان کا بھی انتظام کیا ہوا تھا۔ وہاں شہر کے ہر طبقہ کے لوگ مؤدبانہ آتے اور ملاقات کرتے۔ گردیزی خاندان کا ہیڈ جو مشہور رئیس تھا اکثر آیا کرتا تھا۔ شہر کے لوگ عموماً آپ کا ذکر مؤدبانہ طریق سے کرتے تھے۔ میں نے وہاں وہ بدزبانی اور بے ادبی نہیں سنی۔ جو دوسرے شہروں میں سننے کا اتفاق ہوا تھا۔ ملتان ہم دودن اور تین راتیں ٹھہرے۔ چونکہ حضرت خلیفہ اوّل ہمارے ساتھ تھے۔ وہاں ان سے علاج کروانے کیلئے لوگ ہجوم کر کے آتے تھے۔

۳

(سفر ملتان سے) واپسی پر لاہور میں آ کر حضرت اقدس شیخ رحمت اللہ صاحب کے مکان پر فروکش ہوئے تھے۔ شیخ صاحب اُن دنوں اپنے بھائی کے ساتھ شریک کار تھے ان کی دوکان کا نام ''بمبئی ہاؤس'' تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی بالائی منزل میں تقریر بھی فرمائی تھی۔ اُن دنوں مومی تصویروں کا ایک تماشا آیا ہوا تھا۔ جو اس مکان کے سامنے تھا۔ اس میں کئی قسم کی مومی تصویریں تھیں انسانی اعضاء کے بھی مومی مجسمے تھے۔ جیسے انسان کا دل، دانت، ہڈیاں اور دماغ وغیرہ اس کے علاوہ اور بھی نظارے تھے۔ ان تصویروں کو بھی حضرت اقدس نے جا کر دیکھا اور فرمایا تھا کہ علمی رنگ میں اس قسم کی تصویروں سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔

۴

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ریلوے سٹیشن لاہور پر کچھ دیر انتظار کرنے کا موقعہ آیا حضرت (اماں جان) کے ساتھ پلیٹ فارم پر ٹہل رہے تھے۔ اس پر مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے حضرت مولوی نورالدین صاحب کو کہا کہ آپ جا کر کہیں۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ مجھے تو اتنی جرأت نہیں۔ اس پر مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم خود گئے۔ اور حضرت کے حضور عرض کیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگ کیا کہیں گے کیا یہی کہ مرزا اپنی بیوی کے ساتھ پھر رہا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ یہ واقعہ لاہور ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم نمبرا پر اور مشرقی پل کے قریب کا ہے۔

۵

سفر جہلم کے دوران میں میں نے دیکھا کہ امرتسر کے سٹیشن سے ایک یورپین لیڈی نے حضرت اقدس کو دیکھنا شروع کیا۔ وہ ایک جرنیل کی بیوی تھی۔ ولایت سے واپس آ رہی تھی۔ سٹیشن پر ہجوم کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ لاہور آ کر پھر اس نے ہجوم دیکھا۔ اِدھر اُدھر پھرتی رہی آخر مجھ سے انگریزی میں سوال کیا کہ یہ کون ہے۔ اور ہجوم اس قدر کیوں ہے۔ میں نے جواب دیا کہ یہ خداوند یسوع مسیح اپنی دوسری بعثت میں آیا ہوا ہے۔ اس نے کہا یہ تو انسان ہے مگر وہ خدا تھا۔ میں نے جواب دیا کہ وہ مریم کا بیٹا تھا۔ وہ چونکہ انسان تھی۔ اس لئے یہ ممکن نہیں ہوسکتا کہ عورت کے پیٹ سے خدا پیدا ہو۔ پھر اُس نے کہا۔ کیا میں اُن کے قریب جاسکتی ہوں میں نے اس کا انتظام کر دیا۔ اس نے قریب جا کر ہاتھ ملانا چاہا۔ مگر حضرت اقدس نے اس کی طرف توجہ بھی نہ کی۔ اس کے بعد اُس نے حضور علیہ السلام کا فوٹو لے لیا۔

۶

کرم دین والے مقدمہ کے دوران جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام گورداسپور میں قیام فرماتے تھے۔ مَیں اور خواجہ کمال الدین صاحب اور دیگر (رفقاء) بھی اس مقدمہ کے متعلق بہت تشویش میں رہتے تھے۔ خواجہ صاحب اور میں نے حضرت اقدس کے حضور اپنی تشویش کا اظہار کر بھی دیا۔ جس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمیں تو اپنے مولا پر اتنا بھروسہ ہے کہ اگر مجسٹریٹ نے ہمارے خلاف لکھنے کے لئے قلم اٹھائی تو جو کچھ اس کی قلم سے نکلے گا وہ انجام کار ہمارے حق میں ہوگا۔ حضور نے ایک سیشن جج کا واقعہ بھی سنایا کہ ایک شخص کا لڑکا خون کے مقدمہ میں ملزم قرار پا کر

اس کی عدالت میں پیش ہوا جیوری نے بھی اس کے خلاف رائے دی۔ اور جج نے اسے پھانسی کی سزا کا حکم دینے کے لئے لمبا چوڑا فیصلہ لکھا۔ سارا فیصلہ اس کے خلاف لکھا۔ اور اس کو پھانسی دیئے جانے کے دلائل بڑے زور سے تحریر کئے۔ اور آخر میں حکم لکھتے ہوئے یہ لفظ لکھ دیئے کہ میں اسے بری کرتا ہوں عام طور پر قاعدہ ہے کہ حکم سنانے سے پہلے اپنی تحریر کو جج پڑھ لیا کرتے ہیں۔ اس نے جب آخر میں اپنا حکم اس کی بریت کے متعلق دیکھا تو بہت جھنجھلایا۔ اور وہ صفحہ پھاڑ کر پھر لکھنے بیٹھا تا کہ اب اس کی سزا کا حکم لکھے۔ لیکن جب پھر آخری فقرہ پر پہنچا تو اس کے ہاتھ نے وہی کچھ لکھا جو پہلے لکھا تھا۔ جب اس نے اپنی تحریر کو دوبارہ پڑھا تو پھر جھنجھلایا۔ اور وہ ورق چاک کر دیا۔ اور تیسری بار فیصلہ لکھنے کے لئے آمادہ ہوا۔ آخر تیسری مرتبہ بھی یہی ہوا۔ جب لکھتے لکھتے آخر میں پہنچا تو قلم نے اب کی دفعہ بھی اس ملزم کی بریت کا فیصلہ ہی لکھا۔ اس پر اس نے گھبرا کر کہہ دیا۔ کہ اب میرے اختیار سے یہ بات باہر ہوگئی ہے۔ آخر لاچار ہو کر اس کی بریت کا حکم صادر کر دیا۔ چونکہ تمام اعضاء انسان کے خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اس لئے اگر وہ ہمارے خلاف فیصلہ لکھنے کے لئے بیٹھے گا۔ تو اس کا ہاتھ اور اس کا قلم اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق وہی کچھ لکھیں گے جن سے ہماری بریت ہوگی۔ الغرض ان دنوں ہم تشویش میں رہا کرتے تھے۔ مگر حضور علیہ السلام مختلف واقعات سنا سنا کر ہمیں تسلی دیا کرتے تھے اس موقعہ پر یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے یہ واقعہ بیان فرمایا تو اس وقت حضور کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور بڑے جوش اور جلال سے آپ نے فرمایا کہ اگر مجسٹریٹ لکھنے کے لئے قلم اٹھائے گا تو اس کے قلم سے جو کچھ نکلے گا وہ ہماری بریت کے متعلق اور ہمارے حق میں ہی ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہم کو ایسی ہی بشارت دی ہوئی ہے۔

(روزنامہ الفضل ۱۱ر فروری ۱۹۴۳ء)
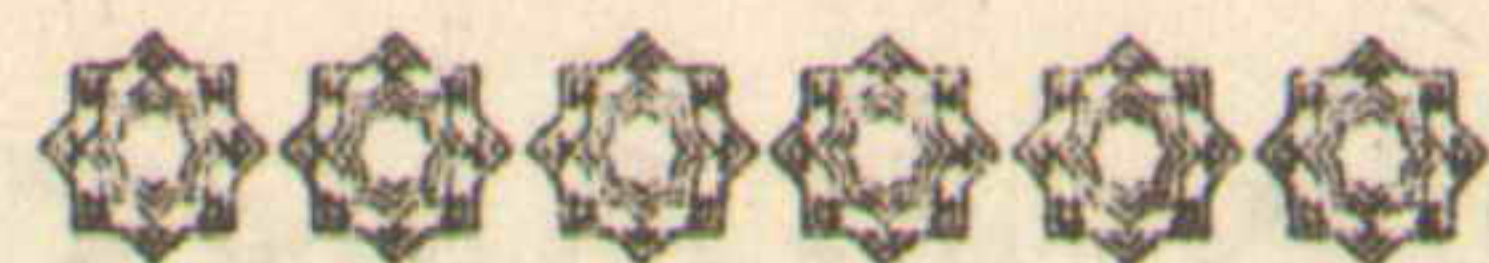
حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے

دو کام فرائض منصبی کی ادائیگی اور دعوۃ الی اللہ

جناب ملا واحدی صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ:-

''میں جب امریکہ اور یورپ میں ہوتا ہوں تو تعطیلات میں دیہاتوں کی طرف چلا جاتا ہوں وہاں ہفتوں ٹھہرتا ہوں اور (دعوۃ الی اللہ) کرتا ہوں۔ دیہاتوں میں بے شمار دوست ہیں اور ٹھہرنے کے ٹھکانے ہیں۔ مجھے اور کوئی شوق نہیں ہے سینما اور سینما کی قسم کی چیزوں سے واسطہ نہیں رکھتا۔ ڈنروں اور لنچوں میں بھی اس لئے شریک ہوجاتا ہوں کہ فرائض منصبی مجبور کرتے ہیں ورنہ حقیقتاً دلچسپی دو ہی کاموں سے ہے یا فرائض منصبی کی ادائیگی سے یا (دعوۃ الی اللہ) سے''

(روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ ۱۷ر نومبر ۱۹۶۳ء)

ان کے جیون کا اثاثہ اک تیری حیات

تو عظیم المرتبت ہے محسنِ انسانیت
تیری خاطر ہی پیدا کی گئی ہے کائنات

مظہر اول بھی تو اور مظہر آخر بھی تو
ہے صفات باری تعالیٰ سے مشابہ کل صفات

رحمۃ للعالمینؐ ہے اور ختم المرسلینؐ
مالک کون و مکاں کے بعد ارفع تیری ذات

تو بشر ہے جس کو سجدہ بھی ملائک نے کیا
ہو گئیں پھر نور سے تیرے منور شش جہات

تھے بھٹکتے پھر رہے جو ظلمتوں میں رات دن
تیرے ابرو کے اشارے سے ہوئے عالی صفات

تیری خاطر مر مٹے جن کو تیری قربت ملی
ان کے جیون کا اثاثہ اک تیری حیات

تیرے ملنے سے ملا ان کو وہ سب کچھ حساب
جو کبھی نہ دے سکا ان کو جہان بے ثبات

تیرے در کے ہم سوالی اے شفیع المذنبیں
ڈال ہم پر بھی ایک نظرِ التفات

روز محشر ساتھ ہو جائے ترا آقا نصیب
ہے نسیم پر خطا کی یہ دعا دن اور رات

(مکرم محمد افتخار احمد نسیم صاحب)

اے اللہ ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو صحت و سلامتی والی لمبی فعال عمر عطا فرما۔ حضور پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما تا چلا جا اور حضورانور کے مبارک دور میں احمدیت کو غلبہ عطا فرما۔ آمین

منجانب

قائد مجلس وارا کین عاملہ مجلس خدام الاحمدیہ

نارتھ کراچی

ایک صادق مسلمان سلطان فتح علی ٹیپو شہید

(مکرم مرزا خلیل احمد قمر صاحب)

حضرت مصلح موعود بیان فرماتے ہیں کہ:۔

''ایک دفعہ ایک کتا ہمارے دروازہ پر آیا۔ میں وہاں کھڑا تھا۔ اندر کمرہ میں حضرت صاحب تھے۔ میں نے اس کتے کو اشارہ کیا اور کہا ٹیپو ٹیپو ٹیپو۔ حضرت صاحب بڑے غصہ سے باہر نکلے اور فرمایا:۔

تمہیں شرم نہیں آتی کہ انگریزوں نے تو دشمنی کی وجہ سے اپنے کتوں کا نام ایک صادق مسلمان کے نام پر ٹیپو رکھا ہے اور تم ان کی نقل کر کے کتے کو ٹیپو کہتے ہو۔

خبردار! آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔

میری عمر اس وقت شاید آٹھ نو سال کی تھی۔ وہ پہلا دن تھا جب سے میرے دل کے اندر سلطان ٹیپو کی محبت قائم ہوگئی''۔

(الفضل یکم اپریل ۱۹۵۸ء صفحہ ۳ بحوالہ سوانح فضل عمر جلد اول صفحہ ۱۸ از حضرت مرزا طاہر احمد صاحب)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ الفاظ اپنے موعود فرزند کی ابتدائی عمر میں (دینی) غیرت کی تعلیم کے لئے بیان فرما رہے ہیں۔ اس وقت حضرت میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب کی عمر آٹھ یا نو سال کی تھی۔ گویا یہ الفاظ ٹھیک ایک سو سال پہلے کہے گئے تھے۔ جبکہ اس عظیم مجاہد صادق مسلمان فرمانروا سلطان فتح علی ٹیپو کی شہادت ۴ مئی ۱۷۹۹ء پر ایک سو سال گزر چکا تھا اور ایک سو سال گزر جانے کے باوجود سلطان فتح علی ٹیپو کی بہادری شجاعت اور جوانمردی کی شہادت کا زخم تازہ تھا۔ جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تڑپا دیا اور اپنے فرزند ارجمند کو کتے کو ٹیپو کہنے پر سمجھانا ضروری سمجھا۔

سلطان فتح علی ٹیپو کے جد امجد شیخ ولی محمد خان بہلول ۱۶۱۰ء میں سیالکوٹ سے دہلی منتقل ہو گئے۔ اور پھر مغل دربار اور فوج کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ ٹیپو سلطان کے والد حیدر علی نے ایک سپاہی کی حیثیت سے ترقی کی اور اس سپاہیانہ حیثیت سے ترقی کرتے کرتے میسور کا والی بن گیا۔

سلطان حیدر علی والیٔ میسور کو فقر النساء کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے ۱۰ ردسمبر ۱۷۵۰ء کو ایک بیٹا عطا فرمایا جس کا نام فتح علی خان رکھا گیا لیکن عجیب بات ہے کہ ابتداء سے ہی اس بچے کو ٹیپو سلطان کے نام سے پکارا جانے لگا۔ میسور میں عام بولی جانے والی زبان ''کناری'' میں ٹیپو شیر کو کہتے ہیں۔

ٹیپو سلطان نے شہزادوں کی طرح پرورش پائی اس کے باپ نے اس کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ خود ٹیپو اپنی خداداد ذہانت قابلیت اور لیاقت کا جوہر رکھتا تھا۔ اس لئے اس نے جلد جلد اپنے جوہر دکھانے شروع کئے اور ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کی مثال صادق آنے لگی۔ ٹیپو نے بچپن میں ہی عربی فارسی اور اسلامی تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ وہ کئی زبانوں میں بات چیت کر سکتا تھا۔ عربی، فارسی، ہندوستانی، کانیدہ تھوڑی بہت مراٹھی بھی جانتا تھا۔ انگریز مصنف Havd Mil لکھتا ہے کہ ٹیپو یورپی

زبانیں بھی جانتا تھا۔ وہ فرانسیسی بڑی روانی سے بولتا تھا۔ جبکہ دیگر زبانوں میں مترجم کے ذریعہ مذاکرات کرتا تھا۔ اس نے ایک طرف اسلامی علوم دوسری طرف جدید سائنس کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ مگر اس کا اصل میدان میدانِ جنگ تھا۔ اس نے سترہ سال کی عمر میں میدانِ جنگ کا رخ کیا اور پھر پے در پے جنگوں میں اپنے باپ حیدر علی کا مضبوط بازو شمشیر زن رہا۔ وہ اپنے باپ کی طرح اس امر سے بخوبی آگاہ ہو چکا تھا کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دینا چاہیے۔ یہ تاجروں کے روپ میں ہندوستان پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ہندوستان کو اپنا غلام بنا کر اور ہندوستان کی دولت لوٹ کر اپنے ملک لے جانا چاہتے ہیں اس لئے ٹیپو کو بس یہی فکر تھی کہ انگریزوں سے کسی طرح چھٹکارہ حاصل کیا جائے۔

ٹیپو سلطان اپنے باپ حیدر علی والیٔ میسور کی وفات ۷ / دسمبر ۱۷۸۲ء کے بعد ۱۱ / دسمبر ۱۷۸۲ء میں والیٔ میسور بنا۔ سلطنت کے بعض امراء ٹیپو کے اس لئے مخالف تھے کہ یہ اسلامی رجحان رکھتا ہے اور انگریزوں کا شدید دشمن ہے اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنا چاہتا ہے۔ جس وقت سلطان حیدر علی کی وفات ہوئی تو ٹیپو میدان جنگ میں دشمنوں سے نبرد آزما تھا۔ اس لئے حیدر علی کی وفات کو ظاہر نہ کیا گیا اور ٹیپو کو پیغام بھجوایا گیا کہ حیدر علی بہت بیمار ہے اور تمہیں بہت یاد کرتا ہے ایسا اس لئے کیا گیا کہ بعض امراء سلطنت ٹیپو کے مخالف اور انگریز نواز تھے وہ ٹیپو کی بجائے اس کے بھائی کریم کو اقتدار میں دیکھنا پسند کرتے تھے۔ کیونکہ وہ قوت ارادی سے محروم اور جلد دوسروں کی باتوں میں آجانے والا تھا۔

سلطان فتح علی ٹیپو نے برسر اقتدار آتے ہی ''پادشاہ ٹیپو'' کا لقب اختیار کیا اور مملکت کا نام ''سرکار خداداد میسور'' رکھا۔ کاروبارِ مملکت کے بنیادی اصول احکام خداوندی قرار دیئے۔ اس نے اپنی رعایا کی بھلائی کیلئے بہت سے کام کئے۔ ملک میں خوشحالی کا دور شروع ہو گیا وہ اپنی رعایا سے بہت محبت کرتا تھا اور روزانہ دربار کرتا جس میں ہر ایک کو آکر شکایت کرنے کی اجازت تھی۔ ٹیپو شکایت سن کر موقع پر احکامات جاری کرتا اور عملدرآمد کی رپورٹ پا کر مطمئن ہوتا۔ ٹیپو سلطان نے بہت سی مساجد تعمیر کرائیں جس میں ''مسجد اقصیٰ'' اور ''مسجد احمدی'' اپنی وسعت اور خوبصورتی اور طرز تعمیر کے لحاظ سے نمایاں ہیں۔ اس نے بہت سی اصلاحات جاری کیں۔ جن میں نئے کیلنڈر کا اجراء بھی۔ ہے۔ مغلیہ دور حکومت میں اسلامی کیلنڈر ہجری قمری رائج تھا جس سے لگان وغیرہ وصول کرنے کے سلسلہ میں دقت پیش آتی تھی۔ کیونکہ قمری سال معین موسموں میں نہیں آتا۔ بلکہ بدلتا رہتا ہے۔ اس لئے ٹیپو سلطان نے سن نبوی سے شمسی کیلنڈر کا اجراء کیا جس کا نام سن احمدی رکھا جس کے مہینوں کے نام یہ ہیں۔

احمدی۔ بہاری۔ جعفری۔ دارائی۔ ہاشمی۔ داسی۔ زبیر۔ جدی۔ طلوعی۔ یوسفی۔ آزادی۔ بیازی

ٹیپو سلطان نے نئے سکے جاری کئے۔ جن پر عربی عبارات کندہ کروائیں جس میں سے سب سے قیمتی سونے کی اشرفی کا نام ''احمدی'' رکھا اس کے نصف سکے کا نام ''صدیقی'' تھا۔ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے معنون تھا۔

ایک چوتھائی سکے کا نام حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے نام کی نسبت سے فاروقی رکھا۔ چاندی کے سکوں کے نام۔ حیدری۔ امانی۔ جعفری۔ کاظمی۔ خضری تھے۔ تانبے کے سکے۔ عثمان۔ مشتری۔ زہرئی۔ برہما۔ اختر۔ قطب تھے۔

میسور میں مسلمان اور ہندو دونوں قومیں آباد تھیں۔ ٹیپو کا ہندوؤں سے روادارانہ سلوک تھا۔ اس کے کئی وزیر۔ جنرل۔ امراء ہندو تھے۔ ان کو مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی۔ ٹیپو بعض اوقات ان کے مذہبی تہواروں کے موقع پر بڑے بڑے مندروں کو بھاری رقوم اخراجات کے لئے دیتا تھا۔ اس کے باوجود ہندو امراء اس کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے۔ اس کے خلاف نو سازشیں کی گئیں جن میں ہندوؤں کے علاوہ بعض مسلمان امراء بھی شامل تھے۔ بلکہ اردگرد کی مسلمان ریاستیں جو انگریز کے ساتھ ملی ہوئی تھیں وہ ٹیپو کو اقتدار سے الگ کر دینا چاہتے تھے۔

۱۷۸۲ء تا ۱۷۹۰ء ٹیپو سلطان نے اپنی افواج کی تنظیم نو کی۔ فرانسیسیوں سے تعلقات پیدا کئے۔ نپولین کی جنگی مہمات اور اس کے طریقہ جنگ کا بغور جائزہ لیا اردگرد کی ریاستوں سے تعلقات پیدا کئے۔ انگریزوں کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کئے تا کہ امن کے زمانہ میں زیادہ سے زیادہ تیاری کی جاسکے۔ ٹیپو نے اپنی ہمسایہ ریاستوں کو اس امر سے آگاہ کیا کہ اب موقع ہے کہ ہم سب مل کر انگریز کا مقابلہ کریں ورنہ انگریز ایک ایک ریاست کو ہڑپ کر کے پورے ہندوستان پر قابض ہو جائے گا۔

نوٹ: مندرجہ بالا معلومات ان کتب سے حاصل کی گئیں ہیں۔

1- Tiger of Mysore by Praxy Fernandez

2- Tipu Sultan by B.A.Jeddy Publishers Syed and Syed 1995 M.A Jinnah Road Karachi.

تحریک پاکستان کے نامور محقق جناب فاروق اختر نجیب نے اس وقت کے حالات بیان کئے ہیں:۔

''ٹیپو نے نہ صرف اپنے پڑوسی والیان ریاست والد جان محمد علی والئ ارکاٹ۔ نظام الملک پر نظام علی خان والئ حیدرآباد دکن مرہٹوں اور دیگر راجپوت ریاستوں کو اس مشترکہ دشمن کی طرف توجہ دلائی بلکہ سلطان ترکی کی خدمت میں بھی مدد کے لئے میر غلام علی لنگڑا کو بطور سفیر بھیجا۔ غلام علی باوجود سلطان کی ہزار ہا مہربانیوں کے اتنا ''وفادار'' ثابت ہوا کہ استنبول میں برطانوی سفیر کو سلطان کی خط و کتابت سے آگاہ کر دیا۔ مرہٹے تو خیر دشمن تھے ہی مگر افسوس کے اپنے حال پر چھوڑ دینے یا مدد دینے کی بجائے نظام اور محمد علی نے ٹیپو شہید کے لئے ہزار ہا مشکلات پیدا کیں اور کھل کر انگریزوں کا ساتھ دیا''

(سیاست و ریاست تحریک آزادی صفحہ ۲۶۔ فاروق اختر نجیب مطبوعہ دسمبر ۱۹۷۴ء علمی کتاب خانہ اردو بازار لاہور)

حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی جن کے دل میں بچپن سے ہی ٹیپو سلطان کی محبت اپنے مقدس باپ سے ورثے میں ملی تھی۔ آپ نے انگریزوں اور دیگر ریاستوں کے ساتھ ٹیپو سلطان کی چومکھی لڑائی اور اس کے دوررس اثرات کا تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا۔

''ہندوستان میں انگریزوں کا تسلط اسی رنگ میں ہوا۔ یہاں کہ حکمرانوں کو انہوں نے آپس میں لڑوایا اور ان میں سے ہر ایک یہی سمجھتا رہا کہ ہم اپنے دشمن کو مار رہے ہیں اور کسی نے بھی یہ خیال نہ کیا کہ اپنے آپ کو مار رہے ہیں۔

ایک انگریز مصنف نے لکھا ہے کہ ہندوستان کو ہم نے فتح نہیں کیا بلکہ ہندوستانیوں نے ہندوستان کو ہمارے لئے فتح کیا ہے۔

سارے ہندوستان میں صرف ایک شخص تھا جس نے اس حقیقت کو سمجھا اور دوسروں کو اکسایا اور ہوشیار کیا مگر کسی نے اس کی بات نہ سنی اور اس کی آواز بالکل رائیگاں گئی یہاں تک کہ ملک ہاتھ سے نکل گیا اور بعد میں افسوس سے ہاتھ ملنے لگے۔

انگریز بھی خوب سمجھتے ہیں کہ درحقیقت وہی ایک شخص تھا جس نے ان کی تدابیر کو سمجھا کیونکہ ان کے دلوں میں اس کا اتنا بغض ہے کہ گلی کوچوں میں آوارہ پھرنے والے بچے جب کسی کو چڑانا چاہتے ہیں تو اسے ٹیپو ٹیپو کہہ کر پکارتے ہیں اور ان کو معلوم نہیں کہ ہندوستان میں صرف وہی ایک بادشاہ تھا جس نے اس خطرہ کو سمجھا جو یہاں اسلامی حکومت کو پیش آنے والا تھا وہی تھا جس نے غیرت دکھائی اور غیرت پر جان قربان کر دی۔

سلطان ٹیپو نے جب انگریزوں کے بڑھتے ہوئے تسلط کو دیکھا تو اس نے چاروں طرف مسلمانوں کو خطوط لکھے کہ اسلامی عظمت کا نشان مٹ رہا ہے۔ آؤ اکٹھے ہو جاؤ تا اسے بچایا جاسکے۔ اس نے ایک طرف ایران کی حکومت کو لکھا تو دوسری طرف افغانستان کی سلطنت کو پھر اس نے ترکوں کو بھی لکھا اور اس کے پہلو میں نظام (حیدر آباد دکن) کی جو حکومت تھی اسے بھی متوجہ کیا اور یہاں تک لکھا کہ مت سمجھو کہ میں اپنی عظمت چاہتا ہوں اگر تمہارا یہ خیال ہو تو میں تمہارے ماتحت ہو کر لڑنے کو تیار ہوں۔ لیکن خدا کے لئے اور اسلام کی خاطر آؤ متحد ہو جائیں۔ مگر جب بدقسمتی آتی ہے تو آنے والے خطرات سے انسان کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ اسے موت آ جاتی ہے۔ اس وقت کے نظام نے خیال کیا کہ چونکہ انگریز میرے دوست ہیں ان کی مدد سے ٹیپو کی حکومت کا خاتمہ کرنے والا ہوں۔ اس لئے ڈر کر اس نے مجھے یہ تحریک کی ہے اور ایرانیوں، افغانیوں اور ترکوں نے خیال کیا کہ ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا خاتمہ ہونے سے ہمیں کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ آخر اس بندۂ خدا نے اکیلے ہی مقابلہ کیا اور اس مقابلہ میں اس کا آخری فقرہ میں سمجھتا ہوں ایسا فقرہ ہے جسے تاریخ کبھی مٹا نہیں سکتی۔ بعض فقرات اپنے اندر ایسے پاکیزہ جذبات کو لئے ہوئے ہوتے ہیں کہ زمانے کے اثرات اور وقت کا بعد انہیں نہیں مٹا سکتا۔

جس وقت اس قلعہ کی بیرونی فصیل کو توڑ کر جس میں وہ تھا ایک طرف سے انگریز اندر داخل ہوئے یا یوں کہنا چاہیے کہ بعض غدار افسروں کی مدد سے داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے تو اس کا ایک جرنیل دوڑ کر اس کے پاس پہنچا وہ اس وقت اپنی فوج کو لڑا رہا تھا۔ کہ اسے اس جرنیل نے یہ خبر دی کہ انگریز شہر میں داخل ہو گئے ہیں اور بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ آپ ہتھیار رکھ دیں اور اپنے آپ کو ان کے سپرد کر دیں۔ وہ یقیناً آپ کا اعزاز کریں گے مگر جس وقت سلطان ٹیپو نے یہ سنا کہ انگریز شہر میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس نے تلوار میان سے نکالی اور خود لڑائی میں کود پڑا۔ اور اس نے کہا کہ

”گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے شیر کی ایک گھنٹے کی زندگی بہتر ہوتی ہے“۔

ایک انگریز افسر جو شریف دل رکھتا تھا باوجود اس کے کہ اس کے دشمنوں سے تعلق رکھتا تھا۔ اپنے تذکرہ اور یادداشت میں بیان کرتا ہے کہ ہم نے متواتر اس کے سامنے یہ بات پیش کی کہ ہم فتح پا چکے ہیں اب تم ہمارے ساتھ کہاں لڑ سکتے ہو۔ بہتر ہے

کہ ہتھیار ڈال دو مگر وہ نہ مانا۔ یہاں تک کہ میدان میں ڈھیر ہوگیا۔ یہ اکیلا شخص تھا جس نے ہندوستان کی آئندہ حالت کو سمجھا اور مسلمانوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی مگر اس کی بات کو نہ سمجھا اور اس کے نتائج آج ہم دیکھ رہے ہیں۔

(الفضل ۲۲ مئی ۱۹۳۶ء)

جب ٹیپو سلطان کی فوجیں انگریزوں کے خلاف سرنگا پٹم میں نبرد آزما تھیں اور زبردست معرکہ تھا کہ اس لمحے ہندو وزیر خزانہ پورنیا نے یہ کہہ کر فوجیوں کو واپس بلوالیا کہ آکر اپنی تنخواہ وصول کرلیں۔ ٹیپو سلطان کے وزیر اعظم میر صادق علی نے غداری کی اور در پردہ انگریزوں سے ملا ہوا تھا۔ اس نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا انگریزی افواج میر قاسم کی سرکردگی میں مارچ کرتی ہوئی قلعہ میں داخل ہوگئیں اور یوں ہندوستان کی آخری اسلامی حکومت ختم ہوگئی ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو ٹیپو سلطان کی شہادت ہوئی اور ۱۸۰۳ء تک انگریز پورے ہندوستان پر قابض ہوگیا تھا۔

حضرت مصلح موعود نے ۱۸ مارچ ۱۹۴۸ء کو تھیوسافیکل ہال کراچی میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

(فتح علی ٹیپو) میسور کا ایک مسلمان بادشاہ تھا۔ جسے انگریزوں نے بہت بدنام کیا اور اس کے نام پر انہوں نے اپنے کتوں کا ٹیپو نام رکھا۔ یہ آخری مسلمان بادشاہ تھا۔ جس میں اسلامی غیرت پائی جاتی تھی۔ حیدرآباد (دکن) جو آج کل کئی قسم کی مشکلات میں پھنسا ہوا ہے۔ اس نے ہر دفعہ میسور کی اسلامی حکومت کو تباہ کرنے کے لئے انگریزوں کا ساتھ دیا تھا جب بنگلور پر انگریزوں نے آخری حملہ کیا تو سلطان (فتح علی) قلعہ کی ایک جانب فصیل کے پاس اپنی فوجوں کو لڑائی کے لئے ترتیب دے رہا تھا۔ کہ ایک جرنیل اس کے پاس بھاگا بھاگا آیا اور اس نے کہا بادشاہ سلامت اس وقت کہیں بھاگ جایئے کسی غدار نے دروازہ کھول دیا اور انگریزی فوج قلعہ کے اندر داخل ہوکر مارچ کرتی ہوئی آگے بڑھتی چلی آرہی ہے۔ ابھی کچھ رستے خالی ہیں۔ آپ آسانی سے ان رستوں کے ذریعہ بھاگ سکتے ہیں فتح علی نے نہایت حقارت کے ساتھ اس کی طرف دیکھا اور کہا تم کہتے ہو کہ میں بھاگ جاؤں یاد رکھو شیر کی دو گھنٹہ کی زندگی گیدڑ کی دو سو سالہ زندگی سے بہتر ہوتی ہے۔

یہ کہا اور تلوار اپنے ہاتھ میں لی اور سپاہیوں کے ساتھ مل کر انگریزوں سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ اور اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ (الفضل ۲۲ مارچ ۱۹۴۸ء صفحہ ۴)

حضرت مصلح موعود نے جلسہ سالانہ ۲۸ دسمبر ۱۹۵۸ء کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے حیدرآباد دکن کے عروج و زوال کے حصہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

مگر افسوس ہے کہ پھر یہیں (حیدرآباد دکن) سے تباہی آئی۔ کیونکہ مرہٹے بھی اسی علاقہ کے قریب سے نکلے۔ پھر وہی حیدرآباد جس کے فتح کرنے کے بعد اسلام کو ایک بہت بڑی طاقت حاصل ہوئی تھی۔ اس ملک نے انگریزوں سے مل کر میسور کے مسلم بادشاہ فتح علی ٹیپو پر حملہ کیا اور ان کو شکست دلائی۔ ان کی شہادت کے بعد اسلام کی طاقت بالکل کمزور ہوگئی۔ وہ حقیقت میں اسلام کا آخری تاجدار تھا۔ اور اپنے دل میں اسلام کی ایسی سچی محبت رکھتا تھا کہ جس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ اس زمانہ میں جب دنیا کی خبریں پہنچنی مشکل تھیں۔ اس کو پتہ لگا کہ نپولین بہت طاقتور ہوگیا ہے۔ اس پر اس نے نپولین کو لکھا کہ آپ ہندوستان آئیں تو میں اپنی فوجیں لے کر آپ کی مدد کے لئے نکلوں گا۔ تاکہ ہم یہاں پر پھر اسلام کو قائم

کریں۔ مگر نپولین ترکوں کے علاقہ سے گذر سکتا تھا۔ اور ترکوں نے اسے راستہ دینے سے انکار کر دیا۔ اس لئے وہ یہاں آنے سے رہ گیا اور انگریزوں نے اس پر فتح حاصل کر لی۔ اس طرح فرانسیسی جو اس کے ساتھ تھے ہار گئے۔ وہ شخص ایسا بہادر تھا کہ جب انگریز قلعہ کی دیواروں کے اندر داخل ہوگئے تو اس کا ایک وزیر دوڑتا ہوا۔ اس کے پاس آیا اور اس نے کہا فلاں دروازہ سے آپ باہر نکل جائیے۔ دشمن قلعے کے اندر داخل ہو گیا ہے۔ لیکن بجائے اس کے کہ وہ اپنی جگہ چھوڑتا اور اپنی جان بچانے کی کوشش کرتا۔ اس نے کہا میں ان لوگوں میں سے نہیں جو بھاگ کر اپنی جان بچانا چاہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ گیدڑ کی ایک سو سال کی زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی زیادہ اچھی ہے۔ میں گیدڑ کی طرح بھاگنا نہیں چاہتا۔ بلکہ میں شیر کی طرح مقابلہ کروں گا۔ چنانچہ وہ دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گیا۔ گویا مسلمانوں کو آخری شکست بھی وہیں ہوئی۔ جس کی وجہ سے اسلام کا نام ہندوستان سے مٹ گیا۔ اس کے مرنے کے بعد مرہٹے بہت طاقت پکڑ گئے اور انہوں نے سارے ملک کو تاخت و تاراج کر دیا۔

(سیر روحانی جلد سوم صفحہ ۱۳۴)

حضرت مصلح موعود نے ٹیپو سلطان کی بہادری جوانمردی، شجاعت اور دلیرانہ شہادت کو احمدی نوجوانوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے ان کو اپنے اندر قربانی کی روح پیدا کرنے کے بارے میں فرمایا:-

''درحقیقت سچی بات یہی ہے کہ ہر غیرت مند انسان کے نزدیک شیر کی ایک گھنٹہ کی زندگی گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے بہتر ہوتی ہے۔ اگر ہندوستان کے ایک شکست خوردہ اور مردہ اسلام کی عزت بچانے کے لئے جبکہ اس کی کوئی بھی عظمت باقی نہیں رہی تھی۔ ایک مسلمان بادشاہ ایک گھنٹہ کی موت کو سو سال کی زندگی پر ترجیح دیتا ہے تو وہ کیسا احمدی ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ میری چالیس پچاس یا ساٹھ یا سو سال کی زندگی جس میں نوکری اور دوسروں کی غلامی کے سوا کوئی اور کام نہیں کر سکوں گا۔ وہ اسلام کے لئے مر جانے سے زیادہ بہتر ہے یقیناً ایسا انسان نادان ہے یقیناً وہ مجنون ہے یقیناً اس کی عقل پر پردہ پڑا ہوا ہے اور یقیناً اسلام کی راہ میں ایک منٹ لڑتے لڑتے مر جانا انسان کی اس سو سالہ زندگی سے لاکھوں اور کروڑوں بلکہ اربوں گنا زیادہ بہتر ہے جو کسی اور کام میں صرف ہوا اور یہ کام ایسا نہیں جو ہماری جماعت نہ کر سکے۔ سینکڑوں نوجوان ایسے ہیں۔ جنہوں نے (دین حق) کے لئے اپنی زندگیاں پیش کر کے اس بات کا ثبوت مہیا کر دیا ہے کہ یہ کام ہماری طاقتوں اور قوتوں کے اندر ہے اور ہمارے اخلاص اور ایمان کا یہی تقاضا ہے کہ ہم ان قربانیوں میں حصہ لیں اگر سینکڑوں نوجوان ایک کام کر سکتے ہیں تو وہ سینکڑوں اور ہزاروں نوجوان کیوں ایسا نہیں کر سکتے۔ جو ابھی اس تحریک میں حصہ نہیں لے سکے۔ پروانے آگ میں جلتے چلے جاتے ہیں مگر بعد میں آنے والے پروانے پیچھے نہیں ہٹتے بلکہ وہ اور زیادہ جوش اور زیادہ زور کے ساتھ آگ میں گرنا شروع ہو جاتے ہیں کیا انسان ایسے گندے مقام پر ہے کہ قربانی کرنے والوں کی قربانی دیکھ کر اس میں جوش پیدا نہیں ہوتا اور وہ اس سے بھی زیادہ جوش سے آگے نہیں بڑھتا جس جوش سے ایک پروانہ آگ کی طرف بڑھتا ہے''۔

(الفضل ۸ رمئی ۱۹۴۶ء صفحہ ۴)

⊛⊛⊛⊛⊛⊛⊛⊛⊛⊛⊛⊛⊛⊛

زندگی ہے تو کوئی بات نہیں ہے اے دوست!

زندگی ہے تو کوئی بات نہیں ہے اے دوست
زندگی ہے تو بدل جائیں گے یہ لیل و نہار
یہ شب و روز مہ و سال گزر جائیں گے
ہم سے بے مہر زمانے کی نظر کے اطوار
آج بگڑے ہیں تو اک روز سنور جائیں گے
فاصلوں، مرحلوں، راہوں کی جدائی کیا ہے
دل ملے ہیں تو نگاہوں کی جدائی کیا ہے
کلفت زیست سے انسان پریشاں ہی سہی
زیست آشوب غم مرگ کا طوفاں ہی سہی
مل ہی جاتا ہے سفینوں کو کنارا آخر
زندگی ڈھونڈ ہی لیتی ہے سہارا آخر
اِک نہ اِک روز شب غم کی سحر بھی ہوگی
زندگی ہے تو مسرت سے بسر ہوگی
زندگی ہے تو کوئی بات نہیں ہے اے دوست!

(کلیاتِ صوفی تبسم صاحب)

دہقاں نہ کِس لیے ہو مسرور
ہر دانہ ہے غیرت ستارہ
ہر شاخ ہے اک محفلِ نور
ہر خوشہ ہے رُوکشِ ثریا
ہر گوشہ ہے اک وادیٔ طور
دہقان نہ کس لئے ہو مسرور
نادار بنا امیر زر دار
یوں ملتے ہیں زرد زرد خوشے
جس طرح کھنک رہے ہوں دینار
برسائی ہے آسماں نے دولت
ہر سمت لگے ہیں زر کے انبار
نادار بنا امیر زر دار

Trace to history

ڈاکٹر برنیئر کا سفرنامہ ہند

(مرتبہ: عبدالرحمٰن تبسم)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بعض تاریخی کتب سے کشمیریوں کے یہودی الاصل ہونے کے شواہد پیش فرمائے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں آپ علیہ السلام کی کتاب ست بچن سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔ اس اقتباس کے ساتھ ڈاکٹر برنیئر کی کتاب کے اردو ترجمہ سے متعلقہ حصہ بھی شامل کیا جارہا ہے تا قارئین اصل ماخذ کا بھی مطالعہ کرسکیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

ڈاکٹر برنیئر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ''کشمیر میں یہودیت کی بہت سی علامتیں پائی جاتی ہیں چنانچہ پیر پنجال سے گزر کر جب میں اس ملک میں داخل ہوا تو دیہات کے باشندوں کی صورتیں یہود کی سی دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی ان کی صورتیں اور ان کے طور طریق اور وہ نا قابل بیان خصوصیتیں جن سے ایک سیاح مختلف اقوام کے لوگوں کی خود بخود شناخت اور تمیز کرسکتا ہے۔ سب یہودیوں کے پورانی قوم کی سی معلوم ہوتی تھی۔ میری بات کو آپ محض خیالی ہی تصور نہ فرمایئے گا ان دیہاتوں کے یہودی نما ہونے کی نسبت ہمارے پادری صاحبان اور بہت سے فرنگستانیوں نے بھی میرے کشمیر جانے سے پہلے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ دوسری علامت یہ ہے کہ اس شہر کے باشندے باوجودیکہ تمام مسلمان ہیں پھر بھی ان میں سے اکثر کا نام موسیٰ ہے۔ تیسرے یہاں یہ عام روایت ہے کہ حضرت سلیمان اس ملک میں آئے تھے۔ چوتھے یہاں کے لوگوں کا یہ بھی گمان ہے کہ حضرت موسیٰ نے شہر کشمیر ہی میں وفات پائی تھی اور ان کا مزار شہر سے قریب تین میل کے ہے۔ پانچویں عموماً سب لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ایک اونچے پہاڑ پر جو ایک مختصر اور نہایت پورانا مکان نظر آتا ہے اس کو حضرت سلیمان نے تعمیر کرایا تھا اور اسی سبب سے اس کو آج تک تخت سلیمان کہتے ہیں۔ سو میں اس بات سے انکار کرنا نہیں چاہتا کہ یہودی لوگ کشمیر میں آکر بسے ہوں۔ پہلے رفتہ رفتہ تنزل کرتے کرتے بت پرست بن گئے ہوں گے اور پھر آخر اور بت پرستوں کی طرح مذہب اسلام کی طرف مائل ہوگئے ہوں گے''۔ یہ رائے ڈاکٹر برنیئر کی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب سیر و سیاحت میں لکھی ہے۔ مگر اسی بحث میں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''غالباً اسی قوم کے لوگ پیکن میں موجود ہیں جو مذہب موسوی کے پابند ہیں اور ان کے پاس توریت اور دوسری کتابیں بھی ہیں مگر حضرت عیسیٰ کی وفات یعنی مصلوب ہونے کا حال ان لوگوں کو بالکل معلوم

نہیں''۔ڈاکٹر صاحب کا یہ فقرہ یادرکھنے کے لائق ہے کیونکہ آج تک بعض نادان عیسائیوں کا یہ گمان ہے کہ حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہونے پر یہود و نصاریٰ کا اتفاق ہے اور اب ڈاکٹر صاحب کے قول سے معلوم ہوا کہ چین کے یہودی اس قول سے اتفاق نہیں رکھتے اور ان کا یہ مذہب نہیں کہ حضرت عیسیٰ سولی پر مر گئے اور ڈاکٹر صاحب نے جو کشمیریوں کے یہودی الاصل ہونے پر جو دلائل لکھے ہیں یہی دلائل ایک غور کرنے والی نگاہ میں ہمارے متذکرہ بالا بیان پر شواہد بینہ ہیں۔ یہ واقعہ مذکورہ جو حضرت موسیٰ کشمیر میں آئے تھے چنانچہ ان کی قبر بھی شہر سے قریباً تین میل کے فاصلے پر ہے صاف دلالت کرتا ہے کہ موسیٰ سے مراد عیسیٰ ہی ہے۔ کیونکہ یہ بات قریب قیاس ہے کہ جب کشمیر کے یہودیوں میں اس قدر تغیر واقعہ ہوئے کہ وہ بت پرست ہوگئے اور پھر مدت کے بعد مسلمان ہوگئے تو کم علمی اور لاپرواہی کی وجہ سے عیسیٰ کی جگہ موسیٰ انہیں یاد رہ گیا۔ ورنہ حضرت موسیٰ تو موافق تصریح توریت کے حورب کی سرزمین میں اس سفر میں فوت ہوگئے تھے جو مصر سے کنعان کی طرف بنی اسرائیل نے کیا تھا اور حورب کی ایک وادی میں بیت فغفور کے مقابل دفن کئے گئے (استثناء ۳۴ باب درس ۵) ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان کا لفظ بھی رفتہ رفتہ بجائے عیسیٰ کے لفظ کے مستعمل ہوگیا۔ ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ نے پہاڑ پر عبادت کے لئے کوئی مکان بنایا ہو۔ یہ شاذ و نادر ہے کہ کوئی بات بغیر کسی اصل صحیح کے محض بے بنیاد افتراء کے طور پر مشہور ہو جائے۔ ہاں یہ غلطی قریب قیاس کے بجائے عیسیٰ کے عوام کو جو پچھلی قومیں تھیں سلیمان یاد رہ گیا ہو اور اس قدر غلطی تعجب کی جگہ نہیں۔ چونکہ یہ تین نبی ایک ہی خاندان میں سے ہیں اس لئے یہ غلطیاں کسی اتفاقی مسامحت سے ظہور میں آگئیں۔

(روحانی خزائن جلد نمبر ۱۰، ست بچن حاشیہ در حاشیہ صفحہ نمبر ۳۰۲ تا ۳۰۶)

پھر ایک مرتبہ بیان فرمایا:۔

''یہودیوں کے جو فرقے متفرق ہو کر افغانستان یا کشمیر میں آگئے تھے وہ ان کی تلاش میں ادھر چلے آئے۔ اور پھر آخر کشمیر ہی میں انہوں نے وفات پائی۔ اور یہ بات انگریز محققوں نے بھی مان لی ہے کہ کشمیری دراصل بنی اسرائیل ہیں چنانچہ برنیئر نے اپنے سفر نامہ میں یہ یہی لکھا ہے''

(ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۷۷۔ الحکم جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۳۔۴ مورخہ ۲۴ رجنوری ۱۹۰۲ء)

ڈاکٹر برنیئر کی کتاب کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب راز حقیقت، کشف الغطاء، ایام الصلح اور مسیح ہندوستان میں بھی کیا ہے۔

مندرجہ بالا تحریر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے برنیئر صاحب کے جس اقتباس کا ذکر کیا ہے وہ درج ذیل ہے۔ ڈاکٹر برنیئر صاحب لکھتے ہیں:۔

''اگر میں یہودیوں کو اس پہاڑی ملک میں دیکھ پاتا تو مجھ کو ویسی ہی خوشی ہوتی جیسی کہ تھیوی نٹ صاحب کو۔ میری مراد ان یہودیوں سے ہے جن کے پائے جانے کی صاحب موصوف خواہش رکھتے ہیں۔ یعنی وہ یہودی جوان قبائل کی اولاد سے ہوں جن کو شال مینے سر نے جلاوطن کیا تھا۔ لیکن صاحب موصوف کو آپ یقین دلائیے کہ گو بظنِ غالب بعض وجوہ سے پایا جاتا ہے کہ ان میں سے بعض لوگ پہلے اس ملک میں آباد تھے لیکن اب تو یہاں کے کل باشندے ہندو ہیں یا مسلمان البتہ چین میں غالباً اس قوم کے لوگ موجود ہیں۔ کیونکہ میں نے اپنے پادری صاحب مقتدائے فرقہ جیسویٹ کے پاس، جو دہلی میں رہتے ہیں، اس فرقہ کے ایک پادری صاحب باشندۂ جرمنی مقیم شہر بیجنگ دارالسلطنت چین کے خطوط دیکھے ہیں جن میں وہ لکھتے ہیں کہ ''میری مراد اس شہر یعنی بیجنگ میں یہودیوں سے گفتگو جو مذہب موسوی کے پابند ہیں اور توریت وغیرہ کتب عہد عتیق ان کے پاس موجود ہیں۔ ان کو حضرت عیسیٰ کی وفات کا حال مطلق معلوم نہیں اور انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ فرقہ جیسویٹ کے پادری صاحب کو ہم اپنا کاکان مقرر کرلیں گے بشرطیکہ پادری صاحب سور کے گوشت کے کھانے سے پرہیز کریں''۔ بہرحال کشمیر میں یہودیت کی بہت سی علامتیں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ پیر پنجال سے گزر کر جب میں اس

فرانسس برنیئر کا تعارف

ہندوستان میں دنیا کے مختلف حصوں سے سیاح آئے اور انہوں نے اپنی تحریروں میں یہاں کے بارے میں بڑا متنوع اور دلچسپ مواد مہیا کیا۔ یہاں آنے والے یورپی سیاحوں میں فرانسس برنیئر غالباً سب سے زیادہ عالم اور ذہین شخص تھا۔ وہ ایک فلسفی اور سیاح کی حیثیت سے ممتاز تھا۔ 1630ء کے لگ بھگ فرانس میں انیجرز کے مقام پر پیدا ہوا۔ 1652ء میں ڈاکٹر آف میڈیسن کی ڈگری حاصل کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد 1654ء میں شام، مصر، فلسطین وغیرہ کا سفر کیا۔ یہاں سے ہوتے ہوئے برصغیر پہنچا اور قریباً بارہ سال برصغیر پاک و ہند میں رہا۔ کچھ دن داراشکوہ کے ساتھ اور پھر اورنگ زیب کے مشہور امیر دانشمند خان سے وابستہ ہو گیا۔ پھر یہاں سے براستہ ایران برنیئر اپنے وطن کو واپس لوٹ گیا۔ 1670ء، 1671ء میں اس کا سفرنامہ ہند فرانسیسی زبان میں پیرس سے شائع ہوا اور اسی زمانے میں اس کا انگریزی زبان میں **Travels in the Mogul Empire A.D.1656.1668** کے نام سے لندن میں شائع ہوا۔ اس سفرنامہ کا پہلا اردو ترجمہ کرنل ہنری مور نے 1875ء میں کیا۔ پھر بہ مشاورت کرنل ہالرائڈ اسے خلیفہ سید محمد حسن کو بھیجا گیا۔ انھوں نے اس کا ازسرنو ترجمہ کیا کیونکہ کرنل ہنری مور کا ترجمہ قدرے مشکل تھا۔ ان صفحات پر درج اقتباس خلیفہ محمد حسن کے اردو ترجمہ سے لیا گیا ہے۔

ملک میں داخل ہوا تو دیہات کے باشندوں کی صورتیں یہودیوں کی سی دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ ان کی صورتیں اور ان کے طور طریق اور ناقابل بیان خصوصیتیں جن سے ایک سیاح مختلف اقوام کے لوگوں کی خود بخود شناخت اور تمیز کر سکتا ہے، سب یہودیوں کی پرانی قوم کی سی معلوم ہوتی تھیں۔ میری بات کو آپ محض خیالی ہی تصور نہ فرمائیے گا۔ ان دیہاتیوں کے یہودی نما ہونے کی نسبت ہمارے پادری صاحب اور اور بہت سے یورپینوں نے بھی میرے کشمیر جانے سے بہت عرصہ پہلے ایسا ہی لکھا ہے۔

دوسری علامت یہ ہے کہ اس شہر کے باشندے باوجودیکہ تمام مسلمان ہیں مگر پھر بھی ان میں سے اکثر کا نام موسیٰ ہے۔

تیسرے یہاں یہ عام روایت ہے کہ حضرت سلیمان اس ملک میں آئے تھے اور بارہ مولا کے پہاڑ کو کاٹ کر انہی نے پانی کا راستہ کھول دیا تھا۔

چوتھے یہاں کے لوگوں کو یہ بھی گمان ہے کہ حضرت موسیٰ نے شہر کشمیر ہی میں وفات پائی تھی اور ان کا مزار شہر سے قریب تین میل کے ہے۔

پانچویں یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ یہاں عموماً سب لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ایک اونچے پہاڑ پر جو ایک مختصر اور نہایت ہی پرانا مکان نظر آتا ہے، اس کو حضرت سلیمان نے تعمیر کرایا تھا اور اسی سبب سے اس کو آج تک تخت سلیمان کہتے ہیں۔

مشفق من! وجوہ مذکورہ کے باعث سے آپ دیکھو گے کہ میں اس بات سے انکار کرنا نہیں چاہتا کہ یہودی لوگ کشمیر میں آ کر نہ بسے ہوں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ پہلے تو ان کے مذہبی مسائل زمانہ پا کر بگڑ گئے ہوں گے اور آخر کار رفتہ رفتہ تنزل کرتے کرتے بت پرست بن گئے ہوں گے اور بعد ازاں مثل اور بہت سے بت پرستوں کے، مذہب اسلام اختیار کرنے کی طرف مائل ہو گئے ہوں گے اور یہ بات تو تحقیق ہے کہ بہت سے یہودی ایران میں مقامات لار اور اصفہان میں آباد ہیں اور ہندوستان میں بھی جزیرہ گوا اور کوچین کے بعض مقامات میں بستے ہیں اور میں سنتا ہوں کہ ایتھوپیا میں تو یہودی بہت ہی زیادہ آباد ہیں جو اپنی شجاعت اور جنگی لیاقتوں کی وجہ سے مشہور ہیں اور اگر میں ان دو سفیروں کی بات کا یقین کروں جو حال ہی میں شاہ ایتھوپیا کی طرف سے اورنگ زیب کے دربار میں آئے ہوئے تھے تو پندرہ سولہ برس ہوئے وہاں ایک یہودی ایسا زبردست ہو گیا تھا کہ اس نے ایک دشوار گزار چھوٹے سے کوہستانی ضلع میں خود مختار ریاست قائم کر لینے کی کوشش کی تھی۔"

(برنیئر کا سفرنامہ ہند، ڈاکٹر فرانسس برنیئر، ترجمہ خلیفہ سید محمد حسن صفحہ ۳۶۳۔۳۶۴)

Crypersevation: The Science of future

کرایو پریز رویشن

(مستقبل کی سائنس)

(مکرم راشد حسین صاحب۔ اسلام آباد)

نہایت ہی کم درجہ حرارت پر زندگی کو منجمد کرنے کے عمل کو کرایو پریز رویشن (Cryopreservation) کہتے ہیں۔ اس سے متعلقہ بیالوجی کی شاخ کرایو بیالوجی (Cryobiology) کہلاتی ہے۔

ایک زندہ جسم کو اپنے روزمرہ کے کام سرانجام دینے کے لئے بہت سی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان میں سب سے اہم اس کی خوراک (بشمول پانی اور آکسیجن کے) اور خوراک کی توڑ پھوڑ کے بعد باقی بچ جانے والے مادوں کا جسم سے اخراج ہے (کیونکہ یہ مادے جسم کے لئے خطرناک ہوتے ہیں) اگر ایک جسم زندہ ہے تو اسے بہرحال یہ دونوں کام کرنے ہی ہوتے ہیں۔ مگر اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے بعض جانداروں کے جسم میں ایسے نظام رکھے ہیں کہ وہ ایک خاص وقت کے لئے ان ضروریات کو بہت کم کر لیتے ہیں۔ اس کی مثال سخت سردی میں Amphilio اور Reptiles کا Hybernation میں چلے جانا ہے جب مناسب حالات یعنی خوراک کی فراہمی یقینی ہوتی ہے تو دوبارہ اپنی اصل حالت میں واپس آجاتے ہیں۔

قطبین پر پائی جانے والی مچھلیوں کی اقسام اپنے اندر خاص قسم کی پروٹین (Antifreez) بنالیتی ہیں جو کہ ان کو نقطۂ انجماد پر بھی زندگی کے عوامل جاری رکھنے کے قابل بنائے رکھتی ہیں۔

ریپٹائلز (Reptiles) مثلاً سانپ، چھپکلیاں وغیرہ -6C° پر اپنے اعضاء کو منجمد کر کے کئی ہفتے تک زندہ رہ سکتے ہیں۔ کیڑے مکوڑوں (Insects) کو بلاشبہ کم درجۂ حرارت پر زندہ رہنے کا چیمپئن قرار دیا جاسکتا ہے۔ قدرت نے ان کو ایسی صلاحیت بخشی ہے کہ وہ -20C° پر بھی اپنی آنکھیں کھلی رکھ سکتے ہیں۔ کچھ ممالیہ جانور مثلاً چمگادڑیں، گلہریاں وغیرہ -3C° تک بغیر منجمد ہوئے لمبے عرصے تک زندہ رہ سکتے ہیں۔

جانداروں کے اس نظام کو دیکھ کر سائنسدانوں کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس طرح وہ دوسرے جانوروں میں بھی زندگی کو

منجمد کر سکتے ہیں۔ اسی فلسفے کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے خلیوں (Cell) کو منجمد کرنے کے تجربات شروع کر دیے مگر ان کو ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ جب خلیات کو کم درجہ حرارت پر رکھا جاتا ہے تو ان کے اندر کا پانی برف میں تبدیل ہو جاتا ہے اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ جب پانی برف بنتا ہے تو پھیل جاتا ہے اس کا مشاہدہ پلاسٹک کی بوتل کو پانی سے بھر کر فریزر میں رکھ کر کیا جا سکتا ہے۔

خلیات (Cells) کے اندر اس طرح برف کے بننے اور پھیلنے سے ان کے اندر کے غضویے مثلاً مرکزہ (Nucles) اینڈوپلازمک ریٹی کولم (Endoplasmic reticulum) اور مائٹوکونڈرن (Mitochondrin) وغیرہ زخمی ہو جاتے ہیں۔

اس مسئلے کے حل کے لئے سائنسدانوں نے کوشش کی کہ Cell کے اندر سے زائد پانی نکال لیا جائے لیکن یہ بھی اس مسئلے کو مکمل طور پر حل نہ کر سکا کیونکہ پانی کے نکل جانے سے خلیات پچک (deform) ہو جاتے ہیں۔

''ہمت مرداں مدد خدا'' کے مصداق اچانک ایک نئی دریافت ظہور پذیر ہوئی۔ سائنسدانوں نے ایک ایسا مرکب دریافت کیا جس کی خصوصیات نہایت جدا تھیں وہ مرکب ایتھائلین گلائی کول (Ethylen Glycole) تھا۔ خواص کے لحاظ سے یہ Glycerole سے ملتا جلتا ہے۔ اس کی یہ خاصیت ہے کہ یہ خلیات کے اندر سے زائد پانی نہ صرف نکال دیتا ہے بلکہ خود خلیے کے اندر داخل ہو کر اسے پچکنے سے بھی بچا لیتا ہے۔ یہ مرکب نہایت کم مقدار میں تو خلیے کے اندر زندگی کو برقرار رکھتا ہے مگر مقدار میں زیادہ ہونے سے نقصان دیتا ہے۔ مزید مشاہدات سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ کم درجہ حرارت پر اس کا نقصان کم سے کم ہوتا ہے اس طرح سے دوسرے مرکبات مثلاً (Dimety/sulpho oxine(DMSO اور Propylene Ghyole سے بھی بعض صورتوں میں بہتر نتائج آتے ہیں۔

مزید وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ Sperms اور Eggs کے انجماد کے تجربات کامیابی سے ہمکنار ہوتے (ذیل میں oocytes یعنی Mammalian Eggs کے انجماد کا طریقہ کار دیا گیا ہے)

خلیات کو منجمد کرنے کے اس طریقہ کار میں ان کو ایتھالین گلائیکول کے 40% محلول میں نہایت کم وقت (30sec) کے لئے رکھا جاتا ہے اس کم وقت کے دوران خلیات کے اندر کا پانی اوسموسس (Osmosis) کے عمل کے ذریعے باہر آ جاتا ہے اور اس کی جگہ ایتھائلین گلائیکول لے لیتا ہے۔ پھر ان خلیات کو پلاسٹک کی چھوٹی ٹیوبوں میں بند کر کے $20C^o$ سے $-80C^o$ تک پروگرامنگ والے فریزر میں ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔ جب Sample $-80C^o$ تک ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو اسے براہ راست مائع نائٹروجن جس کا درجہ حرارت $-196C^o$ ہوتا ہے ڈبو دیا جاتا ہے۔ اس کم درجہ حرارت پر

خلیات 50 سال تک بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔

اس کم درجہ حرارت پر زندگی کے تمام عوامل رک جاتے ہیں اگر ان خلیات کی دوبارہ زندگی مقصود ہو تو ان کو اس مصنوعی نیند سے نکالنے کے لئے انہیں مائع نائٹروجن سے نکال کر شکر (Sugar) کے محلول میں $37C^o$- پر رکھا جاتا ہے پانی آہستہ آہستہ خلیات کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ دو تین مرتبہ اس شکر کے ہلکے محلول سے دھونے سے ایتھالین گلائیکول مکمل طور پر Cell سے باہر نکل آتا ہے اور ان میں زندگی دوبارہ لوٹ آتی ہے۔ (دوبارہ گرم کرنے کے عمل کو Thowing کہتے ہیں)

تحقیقات سے یہ بات عیاں ہے کہ کرایو پروٹیکٹو یعنی ایتھالین گلائیکول کا محلول جتنا گاڑھا ہو Cell کی زندگی کے امکانات اتنے ہی بڑھ جاتے ہیں مزید براں ٹھنڈا کرنے کا عمل جتنا تیز ہوگا خلیات کو نقصان اتنا کم ہوتا ہے۔ خلیات کی مختلف اقسام کے لئے بنیادی اصل یہ ہی ہیں مگر طریقہ کار میں کچھ تبدیلیاں ہیں۔

زندگی کو منجمد کرنے کے یہ تجربات سردست یک خلوی (unicellular) جانوروں میں کارگر ہیں۔ کثیر خلوی (Multi-Cellular) جانوروں میں سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ایتھائلین گلائیکول کا نفوذ اندر والے خلیات میں نہیں ہو پاتا جس سے وہ مر جاتے ہیں۔ تاہم بافت (Tissue) کے چھوٹے ٹکڑے اس سے مستثنیٰ ہیں۔

Applications

۱۔ آج کل دنیا میں بعض جانوروں کی نسل تیزی کے ساتھ ختم ہوتی جارہی ہے ان کے جرم پلازم (Germ Plasm) کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ بہترین ٹیکنیک ہے۔ اس طریقہ کار میں عموماً ان کے تولیدی مادہ یعنی Sperm/oocytes کو محفوظ کر لیا جاتا ہے۔

۲۔ بہتر نسل کے جانور پیدا کرنے کے لئے Female کا Cross کسی اچھے Male سے کرایا جاتا ہے اچھے Males کی تعداد بہت کم ہوتی ہے لہٰذا تولیدی مادہ (Semen) کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لئے بہترین قسم کے جانوروں کے تولیدی مادہ (Semen) اکٹھا کر کے اسے پلاسٹک کی چھوٹی چھوٹی نالیوں میں محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ بعد ازاں طلب پر جانوروں کے ڈاکٹروں کو Inseminertion کے لئے فراہم کر دیا جاتا ہے۔

۳۔ آج کل دنیا میں مصنوعی عضو (Organ Cltiwc) بنانے کی دوڑ جاری ہے۔ خلیات کی چند اقسام مثلاً Stem

Cells سے مکمل عضو بنانے کے تجربات کامیابی سے ہمکنار ہورہے ہیں۔ چنانچہ خلیات کی ان اقسام کو منجمد کرلیا جاتا ہے اور ضرورت پڑنے پر استعمال کرلیا جاتا ہے۔

۴۔ دنیا بھر میں Test tube baby کی مختلف لیبارٹریوں میں oocytes,sperm cells اور Embryos کو محفوظ کرنے کے لئے یہ ہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

۵۔ اگر ہم اس طریقہ کار کو اس حد تک بہتر بنالیتے ہیں کہ پورے کے پورے عضو (Organs) محفوظ کئے جاسکیں تو اس سے انسانی دل جگر اور پھیپھڑوں کی تبدیلی کا عمل حیرت انگیز طور پر بہتر ہوجائے گا اور بہت سے عضو (Organs) موت کے بعد نکال کر منجمد کرنے کی صورت میں ذخیرے بنائے جاسکیں گے۔ تاحال ان بافتوں جن کی Blood Supply کی ضرورت نہیں ہوتی ان کے منجمد اور Thow کرنے کے تجربات کامیابی سے ہمکنار ہوچکے ہیں۔ ان میں انسانی دل کے والو (human heart volves)، خون کی نالیاں (Arteries) اور گھٹنے کے حصے (knee components) اور آنت (Intestine) کے حصے وغیرہ شامل ہیں۔ جگر، مثانے کی نالیاں، پھیپھڑوں اور گردوں کے انجماد کے تجربات ابھی ابتدائی مراحل میں ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی رکاوٹ کرایو پروٹیکٹنٹ Cryoprotectant کا اندر کے cell تک نفوذ نہ ہونا ہے۔

۶۔ کرایو سرجری موجودہ دور کے کامیاب طریقہ کاروں میں سے ایک ہے اس عمل کے دوران کینسر (Cancer) یا رسولی والے حصے کو بار بار ٹھنڈا اور گرم کیا جاتا ہے اس عمل سے خلیات کے اندر کی پروٹین کی شکل بگڑ جاتی ہے اس سے وہ پروٹین اپنا صحیح کام سرانجام نہیں دے سکتیں۔ نتیجے کے طور پر وہ خلیات (رسولی اور کینسر والے) مرجاتے ہیں اور اس طرح بغیر آپریشن کے علاج ممکن ہے۔ مزید برآں انسانی جسم کے دفاعی نظام کو بھی تیز کرنے کے لئے کرایو بیالوجی کے اصولوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

۷۔ سائنسدان اس سے بھی آگے کی سوچ رکھتے ہیں ان کے خیال میں اگر ہم کثیر خلوی (Multicellular) جانوروں کی زندگی کو منجمد کرنے کے تجربات میں کامیابی حاصل کرلیتے ہیں تو بہت سے انسان جو ایسی بیماریوں میں مبتلا ہیں جن کا علاج آج کے دور میں ممکن نہیں کو منجمد کرلیا جائے اور جب آج سے 50 یا 100 سال بعد سائنس ان بیماریوں کے علاج دریافت کرے تو ان انسانوں کو یعنی نارمل درجہ حرارت لاکر thow کرنے کے بعد دوبارہ زندگی دے کر علاج کرلیا جائے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

بین الاقوامی تنظیمیں

(مکرم کاشف عمران خالد صاحب کراچی)

AL (عرب لیگ)

League of Arab states(ARAB LEAGUE)

قیام:1945ء، **ارکان**:22 عرب ممالک (بشمول فلسطین)

مقاصد: یہ تنظیم عرب ممالک میں سماجی، سیاسی اور فوجی معاملات میں باہمی تعاون کے فروغ کے لئے کام کرتی ہے۔

A.M.F

Arab Monetary Fund عرب مونیٹری فنڈ

قیام:1977ء، **ارکان**:22 عرب ممالک (بشمول فلسطین)

مقاصد: یہ تنظیم مالیاتی اور معاشی تعاون کے فروغ کے لئے کام کرتی ہے۔

ASEAN

ایسوسی ایشن آف ساؤتھ ایسٹ ایشین نیشنز

Association of South East Asian Nations

(ایشیا کے مشرقی جنوبی ممالک کی تنظیم)

قیام:1967ء

ارکان: برونائی، برما، انڈونیشیا، لاؤس، ملائشیا، فلپائن، سنگاپور، تھائی لینڈ، ویت نام

مقاصد: معاشی، سماجی اور ثقافتی تعاون کا فروغ۔

Comm

TheCommonwealth (کامن ویلتھ۔دولت مشترکہ)

قیام: 1931ء **ارکان**: وہ ممالک جو ماضی میں برٹش ایمپائر کا حصہ رہے ہیں اس کے ارکان ہیں جن کی تعداد 56 ہے۔

مقاصد: یہ تنظیم رکن ممالک کے درمیان تعلقات کے فروغ کے لئے کام کرتی ہے۔

E.U

European Union یورپین یونین

ارکان:25 یورپی ممالک

مقاصد: رکن ممالک کی معاشیات کو یکجا کرنا اور حکمت عملیوں میں باہمی تعاون اور ہم آہنگی پیدا کرنا۔

G-7

Group of 7 گروپ آف سیون

قیام:1975ء

ارکان: سات بڑے صنعتی ممالک۔ کینیڈا، فرانس، جرمنی، اٹلی، جاپان، برطانیہ، امریکہ

مقاصد: بنیادی طور پر معاشی مقاصد کے لئے سات بڑے صنعتی ممالک اجلاس بلاتے ہیں لیکن اب سیاسی مقاصد کے لئے بھی اجلاس بلائے جاتے ہیں۔

G-8

Group of 8 گروپ آف ایٹ

قیام:1994ء **ارکان**:G7 کے ارکان اور روس

مقاصد: روس کو شامل کر کے بین الاقوامی معاملات پر گفتگو کی جاتی ہے۔

G-10

Group Of 10 گروپ آف ٹین

قیام:1962ء

ارکان: 11 ممالک۔ G7 کے ممالک اور بیلجیئم، ہالینڈ، سویڈن اور سوئٹزرلینڈ۔

مقاصد: رکن ممالک کے سربراہان ممالک مالیاتی معاملات پر گفتگو کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں

G-15

گروپ آف ففٹین Group of 15

قیام: 1989ء ارکان: 19 ترقی پذیر ممالک

مقاصد: ہر سال ایک دفعہ ترقی پذیر ممالک میں باہمی تعاون کے فروغ کے لئے اجلاس بلاتے ہیں۔

I.A.E.A

انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی

(International Atomic Energy Agency)

قیام: 1957ء ارکان: 132 ممالک

مقاصد: ایٹمی طاقت کے پرامن استعمال کو فروغ دینا اور نگرانی رکھنا۔

I.C.R.C

انٹرنیشنل کمیٹی آف دی ریڈ کراس

(International Committee of Red Cross)

قیام: 1863ء ارکان: 25 سوئس شہری

مقاصد: Red cross (ریڈ کراس) یا Red Crescent (ریڈ کریسنٹ) سوسائٹیز دنیا میں موجود ہیں۔ یہ کمیٹی ان تمام سوسائٹیز کی انسانی ہمدردی کے کاموں میں قانونی اور عملی طور پر جنگ اور کسی بھی قسم کی تباہی میں مدد کرنے میں تعاون کرتی ہے۔ یہ ہر ملک میں موجود Red Cross یا Red Crescent سوسائٹیز کے ذریعہ کام کرتی ہے۔

NATO (نیٹو)

نارتھ اٹلانٹک ٹریٹی آرگنائزیشن

North Atlantic Treaty Organiation

قیام: 1949ء ارکان: 19 ممالک

مقاصد: باہمی دفاعی تعاون کا فروغ۔

OPEC (اوپیک)

آرگنائزیشن آف دی پٹرولیم ایکسپورٹنگ کنٹریز

Organization of the Petrolium Exporting Countries

قیام: 1960ء

ارکان: 11 تیل پیدا کرنے والے ممالک۔ الجیریا، انڈونیشیا، ایران، عراق، کویت، لیبیا، نائیجیریا، قطر، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، وینزویلا

مقاصد: تیل کی قیمت مناسب اور مستحکم رکھنے اور تیل کے بارے میں حکمت عملی میں باہمی تعاون کو فروغ دینا۔

SARC

ساؤتھ ایشین ایسوسی ایشن فار ریجنل کوآپریشن

(South Asian Association for Regional Cooperation)

قیام: 1985ء

ارکان: بنگلہ دیش، بھوٹان، انڈیا، مالدیپ، نیپال، پاکستان، سری لنکا

مقاصد: معاشی، سماجی، ثقافتی تعاون کا فروغ۔

WTO

ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن

World Trade Organization

قیام: 1995ء، ارکان: 141 ممالک (بشمول ہانگ کانگ، مکاؤ اور EU)

مقاصد: تجارتی معاہدہ کے تحت آزاد تجارت کا فروغ۔

ϖωϖωϖω

شگفتہ تحریر

کار بِکاؤ ہے

(مرسلہ: مکرم مبشر احمد ڈار صاحب)

ہم سے پہلے بھی کوئی صاحب گزرے ہیں جنہوں نے بیٹھے بٹھائے بکری پال لی تھی اور پھر عمر بھر اس کے زانو پر سر رکھ کر منمناتے رہے تھے۔ ہمیں غیب سے یہ سوجھی کہ اتفاق سے ولایت جا رہے ہیں، کیوں نہ وہاں سے نئی کار لائی جائے؟ یعنی کیوں نہ جانے سے پہلے پرانی کار بیچ دی جائے؟ اور یہ سوچنا تھا کہ جملہ اندیشہ شہر کو لپیٹ کر ایک کونے میں رکھ دیا اور کار بیچنا شروع کر دی۔ بوٹی بوٹی کر کے نہیں، سالم!

ہمارے کار فروشی کے فعل کو سمجھنے کے لئے کار سے تعارف لازم ہے۔ یہ کار ان کاروں میں سے نہ تھی جو خود بِک جاتی ہیں۔ اس متاعِ ہنر کے ساتھ ہمارا اپنا بکنا بھی لازم تھا۔ یعنی اس کار کے بیچنے کے لئے ایک پنج سالہ منصوبے کی ضرورت تھی لیکن ہمارے پاس صرف تین دن تھے کہ چوتھے روز ہم نے فرنگ کو پرواز کر جانا تھا۔ سو ہم نے ازراہِ مجبوری ایک سہ روزہ کریش پروگرام بنایا جس کا مختصر اور مقفّٰی لب لباب یہ تھا:

آج اشتہار، کل خریدار، پرسوں تیس ہزار!

سو ہم نے اشتہار دے دیا۔

کار بکاؤ ہے

"ایک کار، خوش رفتار، آزمودہ کار، قبول صورت، مالک سمندر پار جا رہا ہے۔ فون نمبر ۶۲۲۰۹ سے رابطہ قائم کریں"

یہ سب کچھ صحیح تھا لیکن جو اس سے بھی صحیح تر تھا.........

اور جسے ہم اشتہار میں بالکل گول کر گئے تھے...... وہ موصوفہ کی عمر تھی جس کا صحیح اندازہ حضرت خضر کے سوا کسی کو نہ تھا۔ وہ طویل مسافت تھی جو محترمہ طے کرتے کرتے لڑکھڑانے لگی تھی اور اس کے اندرونی اعضاء کی وہ باہمی شکر رنجیاں تھیں جنہیں شیر و شکر کرنے میں ممدوحہ کے مالک اور گرد و نواح کے جملہ مستری بے بس تھے۔

دوسری صبح اشتہار کے جواب میں ٹیلیفون آیا:

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔"

اس متشرع سلام کے جواب میں ہم نے صرف وعلیکم السلام کہا۔ جو بہت ناکافی محسوس ہوا۔ ہمیں ذرا شک سا تھا کہ وعلیکم السلام کے ساتھ بھی برکاتہ، وغیرہ لگ سکتے ہیں یا نہیں، ورنہ جی تو چاہا کہ سلام کا دمدار ستارہ بنا کر پیش کریں۔ اتنے میں ادھر سے آواز آئی:

"بندہ پرور، یہ کار کا اشتہار آپ نے دیا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"کس ساخت کی ہے؟"

"فوکس ویگن ہے جناب۔ آج کل بڑی مقبول ہے۔"

"بجا فرمایا آپ نے۔ کون سا ماڈل ہے؟"

"ایسا پرانا نہیں۔ نئے ماڈل سے ملتا جلتا ہے۔"

"میرا مطلب ہے کس سال کی ساخت ہے؟"

اب ساخت تو دس سال پہلے کی تھی لیکن جواب میں یوں کھلم کھلا سچ بولنا ہمیں موافق نہ تھا۔ ادھر جھوٹ بولنا بھی ناواجب تھا۔ معاً ہمارے ذہن میں خیال آیا کہ کیوں نہ خریدار کے شرعی رجحانات کے پیش نظر کار کی تاریخ پیدائش سن عیسوی کی بجائے سال ہجری میں بتائی جائے۔ شاید شعائرِ

اسلام کے احترام میں مزید موشگافی نہ کرے۔ بدقسمتی سے ہمیں موجودہ سال ہجری کا صحیح علم نہ تھا۔ کچھ اندازہ سا تھا۔ اس سے آٹھ سال منہا کر کے کہا:

قبلہ ۱۳۷۷ ہجری کی ساخت ہے۔''

الحمدللہ۔ آپ تو بڑے صالح مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔ ہاں تو آپ نے فرمایا ۱۳۷۷ ہجری۔ موجودہ سال ہجری ہے ۱۳۹۰ گویا تیرہ سال پہلے کا ماڈل ہے؟''

ہم اپنے پھیلائے ہوئے دام تزویر میں پھنس گئے تھے بہرحال ہم نے پھڑ پھڑا کر نکلنے کی کوشش کی۔ یعنی جب ہجری کو آلہ کار نہ بنا سکے تو سیکولر پینترا بدلا اور کہا:

''جناب معاف فرمایئے گا۔ ہجری حساب کچھ ٹھیک نہیں بیٹھ رہا۔ دراصل یہ صرف دس سال پہلے کا ماڈل ہے۔''

''دس اور تیرہ میں کوئی خاص فرق نہیں۔ کتنے میل کر چکی ہے؟''

ہمیں اسی سوال کا ڈر تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ گذشتہ دس سال میں اگر ہماری کار ادھر ادھر چلنے کی بجائے خط مستقیم میں چلتی رہتی اور تیر بھی سکتی تو بحرالکاہل کے رستے دنیا کے چار چکر کاٹ چکی ہوتی۔ یعنی ویر چکر کی مستحق ہوتی۔ اس کا سپیڈو میٹر ننانوے ہزار نوسوننانوے میل بتاتا تھا کہ اس سے زیادہ کچھ کہہ نہ سکتا تھا۔ ورنہ حقیقت تو یہ تھی کہ نکل گیا تھا وہ کوسوں دیارِ حرماں سے اور اس حقیر کرۂ ارض کا محیط زبوں تو فقط پچیس ہزار میل ہے اور اگر اڑ بھی سکتی تو کون کہہ سکتا ہے کہ جب نیل آرمسٹرانگ چاند پر اترتے تو پہلی چائے غریب خانے پر نہ پیتے! الغرض ہماری کار اب دشتِ امکاں عبور کرنے کے بعد تمنا کا دوسرا قدم تول رہی تھی مگر افسوس کہ ہمارے گاہک کو کار کی اس ماورائی صفات میں دلچسپی نہ تھی، چنانچہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ کتنے میل کر چکی ہے، زبان میں رعشہ پیدا ہونے لگا۔ بہرحال ہم نے اللہ کا نام لے کر ایک ہی سانس میں کہہ ڈالا:

''تقریباً ننانوے ہزار نوسوننانوے میل۔''

ہمیں یقین تھا کہ یہ سن کر یا تو اپنا فون توڑ دیں گے یا گریبان پھاڑ ڈالیں گے لیکن خلاف توقع ادھر سے توڑ پھوڑ کی کوئی آواز نہ آئی بلکہ ایک امید افزا سوال سنائی دیا:

''کتنی قیمت ہے؟''

''تیس ہزار۔''

یہ ہم نے آدھے سانس میں کہا اور کامیابی سے اچھو کو روکا۔ ادھر سے مولوی صاحب کی آواز آئی:

جناب بندہ۔ آپ کی کار دس سال پرانی ہے۔ ایک کم ایک لاکھ میل چل چکی ہے۔ آپ کے کہنے کے مطابق حالت اچھی ہے۔ مجھے آپ پر اعتبار ہے۔ تین ہزار روپے قبول فرمایئے گا؟''

''کیا فرمایا آپ نے؟''

یہ جملہ ہمارے منہ سے اضطراراً نکلا تھا، ورنہ ہم نے تین ہزار کی پیشکش اچھی طرح سن اور سمجھ لی تھی۔ فقط ہمارے دل میں ایک فوری قہر نے کروٹ لی تھی۔ وہی قہر جو کبھی پطرس کے دل میں ابھرا تھا۔ جب خدا بخش کے ساتھی نے ان کی تاریخی سائیکل کی قیمت چند ٹکے تجویز کی تھی اور پطرس نے دانت پیستے ہوئے کہا تھا:

''او صنعت و حرفت سے پیٹ پالنے والے انسان، مجھے اپنی توہین کی تو پروا نہیں، لیکن تو نے اپنی بیہودہ گفتاری سے اس بے زبان چیز کو صدمہ پہنچایا ہے اس کے لئے میں تجھے قیامت تک معاف نہیں کروں گا۔''

ہمارے غیر ارادی سوال کے جواب میں آواز آئی:

''میں نے عرض کیا تھا تین ہزار...... لیکن آپ کو بہتر قیمت مل

سکے تو بڑے شوق سے دوسری جگہ بیچ دیں۔ ویسے زحمت نہ ہو تو میری پیش کش بھی کسی کونے میں نوٹ کر لیں۔ میرا فون نمبر یہ ہے اور میرا نام عبدالغفور ہے۔ خاکسار کو مولوی عبدالغفور کہتے ہیں۔''

تو یہ مولوی تھے۔ جبھی تو فرفر ہجری کی عیسوی بنا لی تھی۔

بہر حال ہم نے اپنے سارے غصے کا ایک فقرہ بنا کر مولوی صاحب کو پیش کیا:

''آپ سائیکل کیوں نہیں خرید لیتے؟''

جواب میں ہلکی سی ہنسی سنائی دی اور کچھ اس قسم کی گنگناہٹ کہ ''جواب تلخ مے زیبد لعل شکر خارا'' اور پھر آہستگی سے فون بند ہو گیا۔ بڑا طناز مولوی تھا ظالم!

تھوڑی دیر میں ایک اور خریدار کا انگریزی بولتا ہوا فون آیا؟''

''چھوٹا والا اشتہار موٹر کے بارے میں آپ لوگ دیا؟''

''جی ہاں، میں نے ہی دیا ہے۔''

''کون والا کار ہے؟''

''فوکس ویگن والا۔''

''اس میں ریڈیو ہے؟''

''جی نہیں۔''

''یہ تو بڑا Draw Back ہے۔''

ہم سمجھ گئے یہ اینگوو رنیکلر صاحب محض ٹیلیفون قریب ہونے کی وجہ سے گاہک بن بیٹھے ہیں اور مطلب کار خریدنا نہیں، خریدنے کا سواد لینا ہے۔ عرض کیا:

''جناب اس کار کا بڑا نقص یہ نہیں کہ ریڈیو نہیں رکھتی بلکہ یہ کہ رولز رائس نہیں۔''

''فوکس ویگن میں بھی ریڈیو لگ سکتا ہے۔''

''لگنے کو تو اس میں شہد کا چھتہ بھی لگ سکتا ہے، لیکن خاکسار کی کار میں یہ ایکسٹرا فٹنگ نہیں۔ گڈ بائی۔''

ایک دو اور فون بھی آئے لیکن کار کی عمر رفتہ اور سفر گذشتہ کا ذکر آیا تو بامقصد گفتگو کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ اسی طرح شام ہو گئی۔ شام کی صبح ہوئی۔ ٹیلی فون ہمارے پہلو میں پڑا تھا لیکن چپ۔ سامنے آخری شب تھی، یعنی پروازِ یورپ میں چند ساعتیں باقی تھیں۔ ہم نے سوچا اگر کار نہ بکی اور اس عالم پیری میں اسے تین ماہ گیراج میں گزارنے پڑ گئے تو جوڑوں کے درد کا شکار ہو جائے گی اور پھر شاید کوئی مولوی غفور بھی میسر نہ آئے۔ چلو مولوی صاحب سے ہی رجوع کریں لیکن فون اٹھایا تو ساتھ ہی مولوی صاحب کی ہنسی اور گنگناہٹ یاد آئی۔ سوچا، سبک سر ہو کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو، مگر اندر سے آواز آئی کہ میاں غالب کا پرابلم تمہارے پرابلم سے سراسر مختلف تھا۔ وہ عشق کا معاملہ تھا۔ یہ تجارت کی بات تھی۔ بے تکلف فون کرو۔ ہم نے بے تکلف مولوی صاحب کا نمبر ملایا اور سلام اور رحمتیں اور برکات بھیجنے کے بعد کہا:

''مولانا ساڑھے تین ہزار میں کار آپ کی ہے۔ چاہیں تو آج ہی لے جائیں۔''

تین پر ساڑھ کا اضافہ محض مولوی صاحب کی فتح کو جزوی شکست دینے کی خاطر تھا۔

لیکن قاری محترم، قصہ کوتاہ، اسی شام مولوی صاحب ایک سو کم تین ہزار میں کار لے گئے۔ ایک سو کم اس لئے کہ بقول مولوی صاحب پچھلی بات چیت کے بعد کار چند قدم چل کر اور بوڑھی ہو چکی تھی اور کچھ یہ بھی کہ مولوی صاحب کی خودی ہماری خودی سے ٹکرا کر ذرا زیادہ پائیدار نکلی تھی۔

(بزم آرائیاں از کرنل محمد خان)

⁂⁂⁂⁂⁂⁂

***

جماعت احمدیہ عالمگیر کو خلافت خامسہ کا بابرکت دور

مبارک ہو

خدا تعالیٰ جماعت احمدیہ عالمگیر کو دن دگنی رات چوگنی ترقیات

عطا فرمائے۔ آمین

منجانب

قائد و عاملہ

مجلس دار الحمد فیصل آباد

جماعت احمدیہ عالمگیر کو

قدرت ثانیہ کا پانچواں بابرکت دور

مبارک ہو۔

منجانب

قائد مجلس و عاملہ

دارالذکر فیصل آباد

محبت سب کے لئے

نفرت کسی سے نہیں

ہم احباب جماعت کو جلسہ سالانہ کینیڈا

کے کامیاب انعقاد پر مبارکباد پیش

کرتے ہیں

منجانب

قائد مجلس و اراکین عاملہ

دارالفضل فیصل آباد

ہم حضور کی درازی عمر اور آپ کی قیادت میں جماعت کے پورے عالم پر غلبے کے لئے دعا گو ہیں

منجانب

اراکین عاملہ و قائد ضلع

فیصل آباد

☆☆☆

ہم حضورِ انور کے کامیاب دورہ جات پر

مبارک باد

پیش کرتے ہیں۔ اور تمام جماعت احمدیہ کے خلافت

کے زیرسایہ رہنے کے لئے دعاگو ہیں۔

منجانب

قائد مجلس واراکین عاملہ

کریم نگر فیصل آباد

علامات المقرّبین

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار
جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اُس پر نثار

اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب
کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب؟

اُسے دے چکے مال و جاں بار بار
ابھی خوف دِل میں کہ ہیں نابکار

لگاتے ہیں دِل اپنا اُس پاک سے
وُہی پاک جاتے ہیں اس خاک سے

(درثمین)

Monthly
KHALID
C. Nagar

Editor:
Mansoor Ahmad Nooruddin
September 2005
Regd. CPL # 75/FD

واحد ہے لاشریک ہے اور لازوال ہے

وُہ دیکھتا ہے غیروں سے کیوں دل لگاتے ہو
جو کچھ بُتوں میں پاتے ہو اس میں وُہ کیا نہیں

سُورج پہ غور کر کے نہ پائی وُہ روشنی
جب چاند کو بھی دیکھا تو اس یار سا نہیں

واحد ہے لاشریک ہے اور لازوال ہے
سب موت کا شکار ہیں اُس کو فنا نہیں

سب خیر ہے اسی میں کہ اس سے لگاؤ دِل
ڈھونڈو اسی کو یارو! بُتوں میں وفا نہیں

اِس جائے پُرعذاب سے کیوں دل لگاتے ہو
دوزخ ہے یہ مقام یہ بُستاں سَرا نہیں

(درثمین)